فتنہ انکار حدیث اور مغرب

اگناز گولڈزیہر سے برنارڈ لیوس تک

ضمیر احمد جمیل

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

فتنہ انکار حدیث اور مغرب

مصنف	:	ضمیر احمد جمیل
اشاعت	:	جون 2019
تعداد	:	1000
مطبع	:	بی پی ایچ پرنٹرز
قیمت	:	650

ناشر : ضمیر احمد جمیل

350_ ایم ماڈل ٹاؤن ایکسٹنشن لاہور

فون: +1-604-585-1554

برقی رابطے : jamil51@yahoo.com

فہرست

پیش لفظ	5
ابتدائیہ	9
فتنہ انکار حدیث کے جدید بانی اگناز گولڈ زیہر کا تعارف	15
کتاب محمدن اسٹڈیز-احادیث پر گولڈ زیہر کے اعتراضات	27
محمدن اسٹڈیز حصّہ دوم	45
اسلام کے بارے میں گولڈ زیہر کی آراء	89
اورینٹل ازم	99
کیا احیاء اسلام کی تحریکوں اور اسلام پر تحقیق میں کوئی تعلق ہے؟	107
مستشرقین کا علمی محاسبہ	165
جدید سامراجیت اور نظریاتی محاذ آرائی	177
احادیث کی ضرورت اور اہمیت	191
حوالاجات	243
انڈکس	257

پیش لفظ

ہمیں خود محنت سے علم حاصل کرنے سے اکتاہٹ ہے، علم کے میدان میں بے عملی ہمارے رگ وپے میں سرایت کر چکی ہے. یہی وجہ ہے اپاہجوں کی طرح ہم مغرب میں اسلام پر کی گئی علمی ریسرچ پر بھروسہ کرتے ہیں. انکا متعصبانہ کام اور ہماری کم علمی ملکر ہمیں شک میں مبتلا کرنے کے سواء اور کوئی فائدہ نہیں دیتیں.

اس کتاب کو لکھنے کی ضرورت آج کے مسلمان نوجوان کے ذہن میں احادیث نبوی کے بارے میں ابھرنے والی تشکیک کی وجہ سے پیش ائی. جستجو ہوئی کہ اس فتنہ کے ماخذ کی تلاش کی جائے. تو پتا چلا کہ اس فتنہ کا از سر نو آغاز انیسویں صدی میں ہوا ہے اور اسکے روح رواں مغرب میں اسلامی علوم کے غیر مسلم سکالرز ہیں. جن میں غالب تعداد یہودیوں کی ہے. ان سب کا آپس میں رابطہ بھی تھا اور انہوں نے ایک دوسرے کی کتابوں کو بھی اپنے کام میں بطور حوالاجات بھی استعمال کیا ہے. انکے کام کا اسوقت کے دور میں تیزی سے ابھرتی احیاء اسلام کی تحریکوں سے کیا کوئی تعلق ہے؟ یہ ایک تحقیق طلب بات ہے. گویا کہ یہ نظریاتی جنگ تھی جسکا آغاز کیا گیا تھا، بیسویں صدی میں پھر ہم اسی کا پھیلاؤ دیکھتے ہیں. آج کے دور میں پیش کئے جانے والے احادیث پر اعتراضات اور انکار حدیث کا فتنہ پیدا کرنے والے غیر مسلم مفکرین

کے فکری کام میں اٹھائے گئے نقاط کے درمیان ایک تعلق نظر آتا ہے .اسلام اور مسلمانوں کو لیکر معاندانہ اور متعصبانہ نکتہ نظر اختیار کرنا مغرب کے مستشرقین کے درمیان ایک قدر مشترک ہے. آپکو ایک تعلق نظر آئے گا آج کے دور میں اسلام کے خلاف مسلط کی گئی نظریاتی جنگ اور وار ان ٹیرر کے درمیان.. تاریخ جارحیت کے تسلسل کی نشاندہی کرتی ہے جو مسلمانوں کے خلاف منظم طریقہ سے انیسویں صدی سے جاری ہے. امید ہے اس کتاب کو ان تناظرات میں دیکھنے سے قاری حقیقت حال تک رسائی حاصل کر پائے گا .

ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ ہمیں مستشرقین کے اسلام پر علمی کام کو انکی شخصیت اور کردار کی روشنی میں پرکھنے کی ضرورت ہے. اگر ایک محقق دین اسلام کو اللہ کا دین نہیں مانتا، نہ پیغمبر اسلام کو اللہ کا رسول تسلیم کرتا ہے نہ قرآن کریم کو اللہ کی کتاب سمجھتا ہے تو پھر آپ اس سے کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ احادیث نبوی پر اسکی ریسرچ غیر جانبدار ہو گی. علمی تنقید کے نام پر ان مغربی اسلامی علوم کے ماہرین نے قرآن، حدیث، سیرت اور تفاسیر کی من پسند تشریحات کی ہیں.

یہ صرف اکڈیمکس ہی نہیں تھے. علمی کام کے ساتھ ساتھ انہوں نے نوآبادیاتی نظام کے تسلسل کو برقرار رکھنے اور احیاء اسلام کی تحریکوں کو کچلنے میں اپنی سامراجی حکومتوں کی عملی مدد بھی کی ہے.

شروع میں جوزف ساخت اور اسکا کام میری تحریر کے دائرہ میں نہیں تھا مگر اسکے کام کی مغربی اسکالرز کے نزدیک اہمیت کی وجہ سے اور ساخت کے اسی گروہ کا حصّہ ہونے کی وجہ سے اسکا ذکر کرنا ضروری تھا. جو نقاط اس نے اٹھائے ہیں اسکا جواب مسلم اہل علم نے تفصیل سے دیا ہے جس کو شوق ہو وہ انکی کتب دیکھ سکتا ہے. میرا بنیادی مقصد اسلام کے خلاف جو محاذ کھولے گئے میں ان انکی طرف توجہ دلانا ہے کہ سوے ہوے بیدار ہوں.

میں نے کوشش کی ہے کہ اختصار کے ساتھ بیان کروں کہ آخر گولڈزیھر کی جس کتاب کا اتنا چرچا ہے اس میں اس نے لکھا کیا ہے؟. مسلمان اہل علم کے لئے اس سے آگاہ ہونا ضروری ہے.

غور طالب بات یہ ہے کہ اسلام پر جو لوگ اعتراضات کر رہے ہیں وہ کوئی مسلمان نہیں تو پھر انکو کیا ضرورت ہے کہ وہ مسلمانوں کو بتائیں کہ سنّت مقامی مروجہ قوانین تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ نہیں تھا یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر شروع میں عمل نہیں ہوتا تھا اور بعد میں یہ گھڑی گئیں اور اسلامی قوانین کی بنیاد بنیں. آخر انکو اس کی ضرورت کیوں پیش ائی؟ ایسا کرنے کے کچھ تو مقاصد ہونگے؟.

گولڈزیھر ہو یا ساخت انہوں نے اپنی تحقیق کو زیادہ تر امام شافعی کے حوالے سے بیان کیا ہے. امام شافعی سے پہلے کیا احادیث کی اہمیت پر کسی اور نے کچھ نہیں لکھا تھا؟ ساری تنقید امام شافعی ہی کو لیکر کیوں ہے؟

وَلَن تَرۡضَىٰ عَنكَ ٱلۡيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡۗ قُلۡ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلۡهُدَىٰۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعۡتَ أَهۡوَآءَهُم بَعۡدَ ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلۡعِلۡمِۙ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ

سُوۡرَةُ البَقَرَة 120

اور تم سے یہود اور نصاریٰ ہر گز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہیں کرو گے کہہ دو بے شک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے اور اگر تم نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی اس کے بعد جو تمہارے پاس علم آ چکا تو تمہارے لیے اللہ کے ہاں کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا.

گو طویل حوالے عام طور پر کسی کتاب میں درج نہیں کئے جاتے مگر میں نے کچھ طویل حوالے پڑھنے والوں کی بھلائی کو مد نظر رکھ کر کتاب کا حصہ بنائے ہیں خاص طور پر آخری باب جو احادیث کی اہمیت پر ہے.

آخر میں مجھے شکریہ ادا کرنا ہے برطانیہ میں مقیم اپنی بہن فریدہ شریف صاحبہ کا اور ڈنمارک میں مقیم محترم افتخار کھوکھر صاحب کا جنہوں نے مسودہ پڑھ کر اپنے مفید مشوروں سے نوازا. اللہ تعالی انکو اسکا اجر دے.

دعا ہے پڑھنے والوں کے لئے یہ نفع آور ہو. اور اللہ تعالی اس کاوش کو قبول فرمائے - آمین

ضمیر احمد جمیل

350ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

e-mail: jamil51@yahoo.com

10مئی 2019

5رمضان المبارک 1440

ابتدائیہ

إِنَّهُۥ يَرَىٰكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُۥ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا ٱلشَّيَـٰطِينَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (٢٧)سُورَةُ الاعراف

وہ (شیطان) اور اس کی قوم تمہیں دیکھتی ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ.٦- سُورَةُ فَاطِر

یہ شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو اپنا دشمن ہی سمجھتے رہو وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لیے (باطل کی طرف) بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جائیں۔

جدید ٹیکنولوجی کی بدولت آج ہر طرح کی اطلاعات اور معلومات ہر وقت کثرت سے دستیاب ہیں. آپکو جیسی بھی معلومات درکار ہوں آپ انٹرنیٹ پر جایئے، بس پلک جھپکتے ہی یہ آپ تک پہنچ جاتی ہیں. اس انفارمیشن بلاسٹنگ کے دور میں بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں لوگوں کی ذہن سازی میں مصروف رہتی ہیں ان سب کا ٹارگٹ لوگوں کا ذہن ہوتا ہے. ناظر کو ہر طرح کی چیزیں دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں جن سے اسکے کے خیالات اور

تصورات تیزی سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کا اثر انکے کے نظریات اور عقاید پر بھی پڑتا ہے .خوب سوچ سمجھ کر ایک حکمت عملی کے تحت نظریاتی محاذ کھولنے والوں کو آج کی ٹیکنولوجی لوگوں تک رسائی کا بہترین مواقع فراہم کرتی ہے جس کی مثال اس سے پہلے انسانی تاریخ میں نہیں ملتی .ایسے گروہ سوشل میڈیا پر پوری طرح سے متحرک ہیں جن کا مقصد نظریات کی جنگ لڑنا ہے .اسی کو کچھ لوگ ففتھ جنریشن وار فیر بھی کہتے ہیں. سینکڑوں ویب سائٹس ایسی ہیں جو دین اسلام کے خلاف مواد شائع کرنے میں مصروف رہتی ہیں.

ان ویب سائٹس کا ٹارگٹ مسلمان نوجوان ہیں ،ان سوشل میڈیا ویب سائٹس کا ایک مقصد مسلمانوں کے خیالات معلوم کرنا اور انکے ذہن پڑھنا بھی ہے.

اسی اسلام دشمنی کے کاموں میں سے ایک فتنہ انکار حدیث ہے. انکار حدیث کا فتنہ تو اسلام کے ابتدائی دور میں پہلی اور دوسری صدی میں بھی اٹھا تھا جس کو اہل علم علماء نے سچائی اور حقیقت پر مبنی دلائل سے ذہانت کے میدان میں شکست دے دی تھی. پھر کئی صدیوں تک دوبارہ اس نے سر نہیں اٹھایا. انیسویں اور بیسویں صدی میں انکار حدیث کے فتنہ نے پھر سر اٹھایا ہے،اس کے کیا محرکات ہیں، یہ ہمیں معلوم ہونا چاہیے.

اس فتنہ کے جدید بانیوں میں آپکو زیادہ نام یہودیوں کے ملیں گے. انہی میں سے ایک معتبر نام اگناز گولڈ زیھر کا بھی ہے. یہ کتاب گولڈ زیھر کے خیالات پر روشنی ڈالتی ہے.

اگناز گولڈ زیھر کے زیر نقاب اسلام دشمنی لئے مکروہ ارادوں والے چہرے کو بے نقاب کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نام نہاد ریسرچ کے آڑ میں کی گئی علمی بدنیتی اور خیانت کو منظر عام پر لایا جائے.

اس پر ماضی قریب میں کام ہوا ہے اور اسلامی اسکالرز نے اٹھائے گئے الزامات کا جواب دیا ہے. اسکے باوجود اس امر کی ضرورت ہے کہ مغرب کی اس علمی یلغار کو ہر زاویہ سے دیکھا جائے اور انکے اسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کے مذموم مقاصد کو

فاش کیا جائے. اسی کے مد نظر اگناز گولڈ زیھر کی شخصیت اور اسکی تحریروں کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہو کہ منکرین حدیث کی طرف سے دیے جانے والے دلائل کا اصل ماخذ کہاں ہے.

آج ہمارے نوجوانوں کو علمی اور فکری کئی چیلنج در پیش ہیں. دین اسلام کے دشمنوں کی ہر فرد تک رسائی نے لہذا ہر مسلمان کے لئے اپنے عقائد کے تحفظ کی خاطر دینی علوم اور اسلام کے بارے میں پہلے سے زیادہ اور کچھ حد تک گہری معلومات رکھنا اشد ضروری ہے . جب تعلیم عام ہو گئی ہے تو پھر دین کی سمجھ کے تقاضے بھی بدل گئے ہیں. اب خالی تقلید سے کام نہیں چل سکتا. اپنے دین کی ابتداء، ارتقا اور انسے منسلک علمی حقائق سے ناواقفیت، لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے والوں کا نوالہ تر بنا رہی ہے. مغربی اسکالرز یا منکران حدیث نے جو اعتراض اٹھائے ہیں ہمارے چند نوجوانوں نے انکو من و عن مان لیا. انہوں نے اتنی زحمت گوارہ ہی نہیں کی کہ معلومات حاصل کرتے اور سچ معلوم کرنے کی خاطر خود کچھ مطالعہ یا ریسرچ کر لیتے. کیا دین اسلام انکی نظر میں اتنا سستا ہے کہ وہ کسی بھی غیر مسلم کی بات سن کر اس دین سے شاکی ہو جائیں ؟، دین کی اتنی اہمیت تو انکی نظر میں ہونی چاہیے کہ وہ سچ معلوم کرنے کی خاطر تھوڑی مشقت اٹھا لیں.

دنیا بھر میں جس دیدہ دلیری سے کفر اور الحاد کی فضا ہموار کی جا رہی ہے اس کی وجہ سے اب ہمارے ہاں بھی دین اسلام کے بارے میں برملا کھل کر شک کا اظہار کرنے والے پیدا ہو رہے ہیں

کبھی کہا جاتا ہے اسلام تو صرف اس وقت کے عرب قبائل کے لئے تھا، کبھی کہا جاتا ہے خدا کا وجود کہاں ثابت ہے، کبھی وحی کی حیثیت کو مانا نہیں جاتا تو کبھی اسلام کے آخرت کے تصورات پر شک کا اظہار کیا جاتا ہے، قرآن کریم کے خدا کا کلام ہونے میں شک کیا جاتا ہے.

کبھی مسلمان نئی نسل سے کہا جاتا ہے احادیث تو تین سو سال بعد لکھی گئیں تھیں لہذا انکی صحت میں شک ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ حدیثیں تو گھڑی گئیں ہیں اور کبھی نعوز باللہ اصحابہ اکرام ہی کو مشکوک قرار دینے کی جسارت کی جاتی ہے. اسی طرح احادیث کے متن پر بھی عقلی اعتراض کئے جاتے ہیں. ہمارے چند نوجونوں کو کچھ احادیث کی لینگوئج پر بھی متعرض ہیں، انکو غور کرنا چاہیے کہ روایت کرنے والوں نے جو سنا انہوں نے پوری ایمانداری سے لکھ دیا، میرا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس میں ایک دیہاتی کو آپ نے اونٹ کا پیشاب پینے کا کہا تھا اور جس پر ہمارے آج کے کچھ نوجوانوں کو اعتراض ہے، صحیح بخاری میں ایک حدیث کچھ یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو (ایک بیماری کے علاج کے طور پر) اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔

اس حدیث پر اکثر و بیشتر اعتراض کیا جاتا ہے کہ پیشاب جیسی نجس چیز کو پینے کا حکم نبیؑ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے دے سکتے ہیں؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ پیشاب پینے کا یہ حکم "عمومی" نہیں بلکہ کسی بیماری کے علاج کے سلسلے کا "مخصوص" حکم ہے اور اسی سبب امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو "کتاب الطب" میں درج کیا ہے۔

اور دوسری بات یہ کہ ۔۔۔۔۔۔ خود قرآن سے بھی ایسی "تخصیص" ثابت ہے!

ایک ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خنزیر کے گوشت اور مردہ جانور کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ تخصیص بھی واضح کر دی کہ اگر آدمی "مجبور" ہو جائے تو یہ حرمت ختم ہو جائے گی۔

ملاحظہ فرمائیں: سورہ البقرہ (2)، آیت: 173

تم پر مردہ اور (بہاہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر ان کے کھانے میں کوئی پابندی نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

مختلف اسناد کی وجہ سے دہرائے بغیر بخاری اور مسلم میں قریب ۲۲۳۰ احادیث میں کتنے فیصد احادیث ہونگی جن کو ہمارے آج کے دور کے روشن خیالوں کی عقل مانتی نہیں؟یقیناانکی تعداد بہت ہی کم ہوگی،تو کیا پھر انکی وجہ سے وہ باقی کی تمام احادیث کو چھوڑ دیں گے؟، میں نے یہ بات ایک دلیل کے طورپر کہی ہے. ہمارا نوجوان ساری توانائی تو دنیاوی فائدے کے لئے تعلیم پر صرف کررہاہے لہذا دین اسلام کے بارے میں اسکا علم واجبی ہوتا ہے مگر جذباتی لگاو دین سے بہت رکھتا ہے، وہ جب اپنی عقل کے معیار پر دشمنان دین کے الزامات کو پرکھتا ہے تو اس کو بڑا دھچکہ لگتا ہے، وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ جس دین کے ساتھ وہ والہانہ لگاورکھتا ہے وہ کیونکر اس پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دے اور خود کو بھی مطمئن کرے.

سوشل میڈیا سے ملنے والی اچھی بری معلومات ہوں یا پھر ہمارا اپنے ان پڑھ ہونے والے اباواجداد والی نسل سے نیم خواندہ نسل کی طرف منتقل ہو جانا، وجہ کچھ بھی ہو، اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات لئے سوالات اٹھائے جارہے ہیں، اور بعض تو بلا جھجک مرتد ہونے کی حد کو چھو رہے ہیں. ان حالات میں انکے سوالات کا تسلی بخش جواب دینا اور انکو مطمئن کرنا ہمارا اولین فرض ہونا چاہیے.

جو سوال اٹھائے جارہے ان میں ایک اہم سوال احادیث نبوی کے صیح ہونے کے بارے میں ہے جس میں پھر اور ضمنی اعتراضات شامل ہیں،جبکہ اسلام پر اب اعترضات کی فہرست اتنی ہی طویل ہے جتنی اسلام کے اوپر مغربی محققین کی منصوبہ سازی سے کی جانے والی ریسرچ ہے .

ہمارے لوگ تو بیچارے اپنے سوال بھی خود تیار نہیں کر سکتے.

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان احادیث کو بیان کرنے والے تمام راویوں کی زندگیوں اور انکے کردار کی پوری گہرائی سے تحقیق کی جاتی ہے دیکھا جاتا ہے کیا وہ قابل بھروسہ ہیں بھی یا نہیں، اور کیا وہ صحت مند دل و دماغ کے مالک تھے.

یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک حدیث بیان کرنے والے کے لئے تو جانچ کا اتنا سخت معیار ہو اور جو غیر مسلم پورے علم حدیث کو چیلنج کرنے کے ارادہ سے نام نہاد تحقیق کرے اور اعتراض اٹھائے اور اصحابہ اکرام کے کردار کو مسخ کرے اس کی اپنی جانچ کے لئے کوئی پیمانہ نہ ہو.؟ اس کی ساکھ، نفسیات، ذہنی اور دماغی کیفیت کو نظر انداز کر دیا جائے؟، اسکے مذہبی اور سماجی رحجانات کو پس پشت ڈال دیا جائے؟ ہمیں ان مستشرقین کے کام کو انکے کردار اور انکی شخصیت سے الگ کرکے نہیں دیکھنا چاہیے. ہمیں بھی چاہیے کہ ہم انکی اصلیت کو منظر عام پر لائیں.

یہودی مغربی محقق گولڈزھر نے انیسویں صدی میں علم حدیث پر سوچا سمجھا علمی وار کیا ہے، علم حدیث کی صحت کو مشکوک قرار دیا اور فتنہ انکار حدیث کی پھر سے بنیاد رکھی ہے. جو سوال لبرل سیکولر ذہن رکھنے والے نوجوانوں کرتے ہیں اس کا اصل ماخذ یہیں ہے.

اسلام پر شدید علمی وار کرنے والوں کی دی گئی معلومات دلیلیں اور حوالے اسلام کے دشمنوں کے لئے بہت معتبر ہیں.

ہماری کمزوری یہ ہے کہ نہ تو ہمیں عربی زبان آتی ہے کہ ہم اپنی علمی تاریخ کے ماخذ تک پہنچ سکیں اور نہ ہی ہمیں انگریزی آتی ہے کہ ہمیں یہ ہی معلوم ہو جائے کہ ہمارے دشمن جو علمی وار تحقیق کی آڑ میں کر رہے ہیں وہ کیا ہیں اور ہمیں اسکا کا جواب کیسے دینا ہے.

فتنہ انکار حدیث کے جدید بانی اگناز گولڈزیھر کا تعارف

کیا آپکو معلوم ہے منکران حدیث جنکا وجود تیسری صدی ہجری کے بعد سے ناپید تھا انہوں نے انیسویں اور بیسویں صدی میں پھر سے کیسے سر اٹھالیا ہے؟ اسکی دو وجوہات تھیں ایک وہ مغرب کے مستشرقین جو اسلامی علوم پر اپنی تحقیقات شائع کر رہے تھے جو بلا شبہ تعصب سے پاک نہیں تھیں اور دوسرا اسلامی ممالک میں پیدا ہوتا ہوا نیا انگریزی پڑھا لکھا طبقہ جو مغرب کے محققین اور انکے کام سے متاثر تھا. انہوں نے خود تو کوئی تحقیق نہ کی تھی اور نہ اس محنت طلب کام کی انکو توفیق تھی، بس جو مغربی مستشرقین نے لکھا اسکو من و عن تسلیم کر لیا. یہ لوگ علم حدیث کے بارے میں شبہات کا شکار ہو گئے اور اپنے ساتھ پھر بہت سوں کو گمراہ کیا. ہندوستان کے بہت نامی گرامی لوگ انمیں شامل تھے جنکا ذکر یہاں کرنا مناسب نہیں.

انہی لوگوں کا ایک سرخیل جو خود کو اسلامی علوم کا ماہر کہتا تھا اور مغرب میں ایسا اسکو مانا

بھی گیا کیونکہ بہت کم لوگ اسوقت مغرب میں اسلام سے واقفیت رکھتے تھے، اسکا نام اگناز گولڈزیہر تھا.

گولدزھر کے کام کی اہمیت یہ ہے کہ اسنے اسلام کے نظام میں علم حدیث کو مشکوک ظاہر کرکے دراڑیں ڈالنے کی مذموم کوشش کی. منکران حدیث اپنی دلیلوں کی سند اسی کے کام سے حاصل کرتے ہیں. کیا یہ شخص ایک دیانت دار محقق کہلا سکتا ہے؟اس کی شخصیت اور کردار کن عوامل کے زیر اثر پروان چڑھا تھا؟

جس طرح ہمارے ہاں اسلام میں بڑی بڑی اسلامی شخصیات بچپن ہی میں اپنے گھریلو ماحول اور والدین کی تربیت کے زیر اثر مذھب کی طرف راغب ہوتی ائی ہیں کچھ یہی کیفیت یہودیت میں بھی ہے گولدزھر کے بچپن کا ماحول اور تربیت اسی طرف اشارہ کرتی ہے. وہ یہودیت کے ساتھ بچپن ہی سے جذباتی وابستگی رکھتا تھا. ہمارے ہاں ایسے لوگوں کو مذہبی شدت پسند کہا جاتا ہے جو مدرسوں میں پڑھتے ہیں اور انکا گھریلو ماحول دینی ہوتا ہے مگر مغرب میں ایسے لوگوں کو شدت پسندی سے مبرا خیال کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے.

گولڈزیھر ہنگری کے ایک شہر میں ۲۲جون ۱۸۵۰ کو پیدا ہوے اور انکی وفات ۳ نومبر ۱۹۲۱ کو ہنگری ہی کے شہر بڈاپسٹ میں ہوئی.

اگناز گولڈزیھر نے اپنی بچپن کی یاداشتیں قلم بند کی ہیں جو پھر بعد میں شائع ہوئی. اسنے اپنی یاداشتوں پر مبنی مسودے اپنی چالیسویں سالگرہ پر ۱۸۹۰ کو اپنی بیوی اور بچوں کے حوالے کے تھے.

اسکا کہنا ہے پانچ سال کی عمر میں اسنے بائبل کے اصلی نسخے کا سنجیدگی سے مطالعہ کر لیا تھا اور سات سال کی عمر میں ہر اتوار کو وہ اپنے دوستوں کو خطبہ دیا کرتا تھا اور تبلیغ کیا کرتا تھا. آٹھ سال کی عمر میں اسنے تلمود پڑھنی شروع کر دی تھی وہ اس پر غور کرتا اور اپنے نوٹس لیتا تھا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا، اس دوران وہ بمشکل رات کو چار پانچ گھنٹے سوتا تھا کہ پھر صبح

سویرے اسکا باپ اسکو اٹھا دیتا تھا. بہت عرصہ کے بعد اسکی ماں نے اسکو بتایا تھا کس طرح آٹھ سال کی عمر میں وہ رات گئے تلمود کے اس تابوت کے نمونہ کو دیوانہ وار چوم رہا تھا جو اسکا باپ ایک میلے سے اسکے لئے بڑا اپسٹ سے لایا تھا. بارہ سال کی عمر میں عہد رفتہ کے یہودی فلاسفروں کا دقیق عبرانی زبان میں کام وہ پڑھ چکا تھا. تیرہ سال کی عمر میں اسنے یہودی عبادت گاہ میں اپنی زندگی کا پہلا خطاب کیا جس کا اسکے ذہن پر دوررس اثر تھا. وہ کہتا ہے بعد کی زندگی میں جہاں بھی اس نے مشہور مقامات پر تقریریں کیں اسکے ذہن سے اس تیرہ سالہ بچے کی تقریر کبھی محو نہیں ہوئی.

علمی تحقیق کے معاملے میں ہمارا دامن خالی ہے ورنہ ہم اس شخص کے کردار کے بارے میں ضرور تحقیق کرتے جس نے دین اسلام کو جڑ سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے. ہم اسکی یاداشتوں کے بارے میں سوال اٹھاتے. مگر سست کاہل لوگ ایسا کیونکر کر سکتے ہیں. اپنی ذمہ داریوں سے بیگانہ اور بے پرواہ لوگوں کو کیا فکر ہو کہ علمی میدان میں وہ پٹ چکے ہیں.

اگناز گولڈزھر پندرہ سال کی عمر میں یونیورسٹی میں داخل ہوتا ہے جہاں اور مضامین کے علاوہ وہ ترک لسانیات کا بھی طالب علم رہتا ہے، اسی علوم کا ایک استاد ارمنیس ویمبری اس پر بہت ہی مہربان ہو جاتا ہے اور اسکی ذہانت کی تعریف ہر محفل میں کرتا ہے اور اسے اہم لوگوں سے متعارف کرواتا ہے جن میں ہنگری کا وزیر تعلیم بھی شامل ہے جس نے پھر اگناز کو اسکالرشپ پر تحقیق کی خاطر مشرق وسطی روانہ کیا تھا. اگناز گولڈزھر نے انیس سال کی عمر میں لیپزگ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی. اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں اسکو عروج تب حاصل ہوا جب وہ ۱۸۷۳-۷٤ میں مشرق وسطی کے سفر پر روانہ ہوا. وہ اس سفر کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے، میرے دو مقاصد تھے اول خود کو اسلام سے آشنا کروں، مسلمان علماء کے درمیان رہ کر کام کروں اور اس بات کو معلوم کروں کہ مکّہ سے اٹھنے والا "ایک موسوی فرقہ" کس طرح دنیا کے طاقتور مذہب میں تبدیل ہو گیا. دوسرا یہ

معلوم کروں کہ اس کے معاشرت، ثقافت اور اقدار پر کیا اثرات مرتب ہوے. اسکا کہنا ہے ان دنوں وہ اسلام کے اس قدر قریب ہو گیا کہ اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ اندر سے ایک مسلمان ہو. ایسا لگا یہ واحد مذہب ہے جو اہل فلسفہ کو شافی جوابات دے سکتا ہے، وہ کہتا ہے میں جیوڈاازم کو اسلام کے اسی عقلی معیار پر دیکھنا چاہتا تھا. اس نے معلوم کیا اسلام عیسایت سے بھی اعلیٰ ہے. دمشق میں جن مسلمانوں کی قربت اس کو حاصل ہوئی تھی وہ قاہرہ پہنچ کر اپنے عروج کو پہنچ گئی. اسلام کے ساتھ اپنے لگاو کے جن خیالات کا اس نے اظہار کیا ہے وہ ایک ظاہری بناوٹ تھی جیسا کہ آگے جا کر اسکی اپنی تحریروں سے ظاہر ہو جاتا ہے. پھر اس نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ اسلام کو مکّہ سے نمودار ہونے والے ایک یہودی فرقہ سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھتا.

گولڈ زیھر اپنی یاداشت کی ڈائری میں قاہرہ میں واقعات کی سر گزشت بیان کرتے ہوے بتاتا ہے ایک غیر مسلم ہوتے ہوے بھی کس طرح وہ جامعہ الاظہر میں داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے. اسکا کہنا ہے اس کا آغاز ۱۲ دسمبر ۱۸۷۳ کو ایک بظاہر بڑی غیر اہم ملاقات سے ہوا جو قایرینی کالج کی لائبریری کے ڈائریکٹر ڈاکٹر سٹرن سے ہوئی. ڈاکٹر سٹرن نے اسکو دوربے سے ملوایا جو قاہرہ کی وزارت تعلیم میں کام کرتا تھا اور وزیر تعلیم ریاض بے کے بہت قریب تھا. وہ ایک دن جنوری ٤ ۱۸۷ کو اسکو لیکر ریاض بے کے پاس پہنچا اور گولڈ زیھر کا تعارف ایک ایسے فرنگی کے طور پر کروایا جس کو اسلام میں بہت دلچسپی ہے. جب وزیر تعلیم نے فرانسیسی میں اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو گولڈ زیھر نے کہا وہ پاشا کے ساتھ ترکی زبان میں بات کر سکتا ہے، جس پر پاشا بہت متاثر ہوا. پھر عرب زبان دانی اور اسکے استعمال کے جو جوہر گولڈ زیھر نے پاشا کو دکھائے تو وہ اور بھی دھنگ ہوا . اسکے بعد گولڈ زیھر کئی دفعہ ریاض بے سے ملا اور اسکے ساتھ ایک دوستانہ تعلق استوار کر لیا. ریاض پاشا نے اسکو وزارت تعلیم میں ملازمت کی پیشکش بھی کی جس کو گولڈ زیھر نے قبول

نہیں کیا، پاشانے اس سے پوچھا کوئی ایسا کام ہے جو وہ گولڈ زیھر کے لئے کر سکتا ہو تو گولڈ زیھر نے کہا وہ جامعہ الازہر میں پڑھنا چاہتا ہے. وزیر تعلیم ریاض پاشا یہ سن کر حیران ہوا اور کہنے لگا ایک غیر مسلم فرنگی کے لئے یہ ناممکن ہے کیونکہ آج تک کسی غیر مسلم کو وہاں داخلہ نہیں ملا . مگر گولڈ زیھر نے اسی پر اصرار کیا اور کہا کہ اسے اسلامی علوم سیکھنے کا شوق اس قدر زیادہ ہے گویا کہ وہ بھی جیسے انہی میں سے ہو. بلا آخر اس نے ریاض بے کو جامعہ الازہر کے مفتی اعظم کو ایک سفارشی خط لکھنے پر آمادہ کر ہی لیا. اس نے یہ خط مفتی شیخ عبّاسی کو اسی دن پیش کیا. مفتی صاحب اسوقت درجن بھر علماء کے درمیان بیٹھے وارثت کے ایک مسلہ پر غور و فکر کر رہے تھے گولڈ زیھر بھی غور سے انکی باتیں سنتا رہا. پھر کچھ دیر بعد مفتی صاحب نے گولڈ زیھر کو قریب بلایا اور کہا تم ہی وہ آدمی ہو جس کو میرے دوست ریاض بے نے بھیجا ہے ؟ تمہارا مذھب کیا ہے ؟ گولڈ زیھر گویا ہوا. جی میں ہی وہ خوش نصیب ہوں، میرا نام اگناز المجاری ہے یعنی ہنگری کا اگناز، میں اہل کتاب کے درمیان پیدا ہوا ہوں اور مجھے یقین ہے میں خدا واحد کی گواہی دیتے ہوے یوم حشر کو اٹھوں گا. یہ ایک بہت ہی ہوشیاری اور چالاکی کا جواب تھا، جس میں اس نے اپنا یہودی ہونا چھپا لیا تھا. وہ اپنے نام کے ساتھ اگر گولڈ زیھر بتاتا تو پہچان لیا جاتا کہ یہودی ہے. مفتی صاحب نے اسکو جامہ الازہر میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی.

ایک اور واقعہ جس کا ذکر اس نے اپنی یاداشتوں میں کیا ہے ، اور جس کا ذکر اسکے پرستار بہت کرتے ہیں. وہ ہے اپنے قاہرہ میں قیام کے دوران اسکا ایک جمعہ کی نماز پڑھنا اور اس بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرنا. اس کا کہنا ہے وہ مجھے اپنے ساتھ جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے. اسکی یہ خواہش تھی کہ وہ جمعہ کے دن مسجد میں جائے. لکھتا ہے میں مسلمان تو نہیں تھا مگر میں چاہتا تھا میں اللہ کے آگے اپنے گھٹنے جھکاؤں جب ہزاروں ایمان دار اللہ اکبر پکار رہے ہوں، پھر انکے ساتھ ملکر ایک طاقتور خدا کے آگے اپنا ماتھا خاک آلود کروں . . اپنے ایک شامی دوست عبدللہ الشامی کی مدد سے اسکو یہ موقع مل گیا. اس نے عربوں جیسا لباس پہنا، پہلے امام

شافعی کے مزار پر گیا پھر مسجد کی طرف بڑھا جہاں اس نے خطبہ سنا اور نماز پڑھی. کہتا ہے، ہزاروں نیکوکاروں کے درمیان میں نے زمین پر اپنا ماتھا رگڑا, اس مبارک جمعہ سے پہلے میں کبھی بھی سچی عقیدت سے اتنا معمور نہیں ہوا تھا. یہ باب جس میں اس نے یہ ذکر کیا ہے اور اسکی یاداشتوں کا حصہ دوم گم چکا ہے،اسکی واپسی اپریل ۱۹۷٤ میں ہوئی اور وہ کوئی چار ماہ قاہرہ میں ٹھہرا تھا. اسکا بنیادی مقصد قدیم اسلامی مسودات تک رسائی حاصل کرنا تھا. مسجد کا واقعہ بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے. مساجد میں ایسا کوئی انتظام نہیں کہ غیر مسلم کی پڑتال کی جاتی ہو یا اسے پکڑا جاتا ہو. اسکا کہنا ہے پھر دوبارہ وہ مسجد اسلیے نہ گیا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں، یہ ایک بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہوا واقعہ لگتا ہے. آگے اپنی یاداشتوں میں وہ کہتا ہے اس کا خیال ہے کہ واپس آکر پھر وہ یہودیوں کا غلام ہو گیا، یہ ایک ذو معنی بات لگتی ہے. اس نے بڈاپسٹ کی صیہونی تنظیم میں سیکرٹری شپ کا عہدہ قبول کر لیا تھا جو ایک طاقتور عھدہ تھا. اسکے زیر انتظام بہت سارے شعبے بیان کیے گئے ہیں. اس عھدہ پر وہ یکم جنوری ۱۸۷٦ سے لیکر اگلے تیس سال تک کام کرتا رہا. ثابت ہوتا ہے وہ شروع سے آخر تک ایک کٹر یہودی تھا ،اسلام کے لئے اپنے دمشق اور قاہرہ کے قیام کے دوران اس نے جس عقیدت اور محبت کا ذکر کیا ہے وہ دراصل دکھلاوا تھا.

ایک اور کردار جس کا ذکر اس کی یاداشتوں میں ملتا ہے وہ ہے اس کا مرّبی اور استاد ارمنیس ویمبری، گولڈ زیھر کی کردار سازی اور اسکو متعارف کروانے اور اس کی شہرت میں ویمبری کا بہت بڑا ہاتھ تھا. گولڈ زیھر پہلے اپنے استاد کا احترام کرتا تھا جو بعد میں نفرت اور شک میں بدل گیا. اسکو مشرق وسطی بھجوانے میں بھی اسکے استاد ویمبری کا ہی ہاتھ تھا. اپنی یادداشت میں گولڈ زیھر کہتا ہے ویمبری اسکو فقط بولنے والی مشین بنانا چاہتا تھا جب کہ اسکے عزائم اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا تھے.

یعنی وہ اسلام پر علمی وار کرنے کا ارادہ لئے بیٹھا تھا.

یہی ویمبری جو یہودی تھا ایک مسلمان درویش کے بھیس میں وسطی ایشیا اور افغانستان تک گھومتا رہا، اس نے ترکی کے سلطان عبد الحمید سے بھی راہ و رسم پیدا کی اور بین الاقوامی یہودی تنظیم کے سربراہ کی سلطان عبد الحمید سے ملاقات بھی کروائی، بین الاقوامی یہودی تنظیم کا سربراہ اسرائیلی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کر رہا تھا مگر ترکی کے ساتھ اسکے یہ مذاکرات کامیاب نہ ہو سکے . ۲۰۰۵ میں جب برطانوی حکومت نے پرانی دستاویزات ڈی کلاسیفئڈ کیں تو پتا چلا ویمبری تاج برطانیہ کا تنخواہ دار جاسوس تھا .

ویمبری کا انتقال ۱۹۱۳ میں ہوا مگر گولڈزیھر کی ڈائری میں اس بات کا ذکر نہیں ملتا . ۱۹۱۵ میں گولڈزیھر کو ایک یادگاری تقریب میں اپنے استاد کے لئے تعریفی کلمات ادا کرنے کا فریضہ سونپا گیا. وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے میری تقریر پر ہر طرف سے تالیاں بجائی جارہی تھیں مگر میں ایک تلخ کام احسن طریقہ سے انجام دے رہا تھا. اس نے اپنی ڈائری میں لکھا" ویمبری والا باب آج بند ہو گیا ہے." گولڈزیھر کا محسن استاد ہو، اسکی بڈاپسٹ میں یہودی تنظیم کا صدر ہو یا پھر اسکا کوئی ہم عصر علمی حریف، گولڈزیھر ان سب کے بارے میں شاکی اور نفرت لئے نظر آتا ہے، اور وہ اپنی اس سوچ کو تبدیل کرتا نظر نہیں آتا. ۱۸۸٤ کے وسط میں نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے وہ زیر علاج رہا. اس سب سے اسکی شخصیت اور نفسیات پر روشنی پڑتی ہے.

گولڈزیھر نے قاہرہ میں اپنے چار ماہ قیام کے سلسلہ میں جو ڈائری لکھی، اوائل جنوری ۱۸۷٤ کو وہ الازہر میں داخلہ لیتا ہے اسکی ڈائری کا آخری اندراج ١٤ جنوری ۱۸۷٤ کا ہے جب کہ وہ وسط اپریل تک قاہرہ میں رہا. اسکی تاریخ لکھنے والوں کا کہنا ہے کہ ۱۵ جنوری سے ۱۵ اپریل تک کا ریکارڈ گم گیا ہے. کیوں؟ کیا اسمیں ایسی باتیں تھیں جن کو چھپانا مقصود تھا؟ کسی مسلمان محقق کو توفیق ہوتی تو اسکو یہ ضرور معلوم

کرنا چاہیے تھا کہ اصل حقیقت کیا ہے، اس عرصہ کی ڈائری کیوں گم ہے. گولڈزیھر کی وفات کے تین سال بعد ١٩٢٤ میں لڈوگ ہنگری کے ایک یہودی نے ورلڈ زاینسٹ آرگنائزیشن کے صدر کو گولڈزیھر کی لائبریری کے بارے میں اطلاع دی جو کہ اب اس کے وارثان کے قبضہ میں تھی. ورلڈ زاینسٹ آرگنائزیشن کے صدر وایزمین نے فوراً اسکی اہمیت کا اندازہ لگایا اور اسنے کوئی تیس ہزار ڈالر میں یہ چھ ہزار کتابوں کا ذخیرہ خرید کر ہیبریو یونیورسٹی یروشلم منتقل کر دیا. اسرائیلیوں کا کہنا ہے کہ مسودات اسکی اولاد کے پاس ہی رہے اور ١٩٤٤ میں جنگ عظیم میں جس غار میں چھپائے گئے تھے اس میں ضایع ہوگے جس میں وہ یاداشتیں بھی تھیں جنکا اوپر ذکر کیا گیا ہے. ہم مسلمانوں کے نکتہ نظر سے یہ ایک اہم دستاویز تھی جو اسکے قاھرہ میں قیام کے دوران اسکے کردار اور شخصیت کو سمجھنے میں روشنی ڈال سکتی تھی. گو الاظہر میں اسکا تعلیم حاصل کرنے کا دعوی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا کیوں یہاں پر اسکا قیام محض چار ماہ سے زاید نہیں تھا جس کو اتنا اچھالا گیا جیسے کہ وہ جامع الازھر سے فارغ کوئی عالم وفاضل ہو.

بہر حال بڈاپسٹ واپس آکر جہاں اس نے یہودی تنظیم میں بطور سیکٹری کام کیا جو ٣٠ سال تک جاری رہا وہیں پر اس نے اسلام کے بارے میں اپنی مشہور تصنیف محمدن اسٹڈیز دو جلدوں میں مکمل کی اور شائع کی یہ ١٨٨٩-١٨٩٠ کی بات ہے. اس کتاب میں اس نے اسلام کی روایت، قانون اور اسکے ہزار سالہ ارتقا پر تنقیدی بحث کی ہے.

اس کتاب کی وجہ سے اہل مغرب میں اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی. ١٩١١ میں اسکو مصر سے متعدد دعوت نامے وصول ہوے، قاہرہ یونیورسٹی کے سربراہ شہزادہ احمد فواد نے اسکو اپنی یونیورسٹی میں پڑھانے کی دعوت دی ، گولڈزیھر کے انکار پر وہ خود چل کر بڈاپسٹ آیا اور اسکو منانے کی کوشش کی، بقول گولڈزیھر فواد نے

اسکو کہا تم اس وقت دنیا کے عظیم عربی دان ہو. بڈاپسٹ نہ چھوڑنے کی اصل وجہ کیا تھی ؟اسکا ذکر گولڈ زیھر نے اپنی ۱۹۱۳ کی ڈائری میں کیا ہے ، وہ ٦۳ کی عمر میں اپنے بیٹے کی ۲۳ سالہ بیوی کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا. ظاہرا کہنا تو اسکا یہ تھا کہ وہ اپنی بیوہ بہن کے بچوں کی کفالت کی وجہ سے بڈاپسٹ نہیں چھوڑ سکتا مگر پھر اصل بات سامنے آگئی. یہ کیسی محبت تھی وہ اپنی ۱۰ اگست ۱۰۱۳ کی ڈائری میں لکھتا ہے :"

اپنے بیٹے کی شادی سے میں بھی خود کو پھر سے جوان محسوس کرنے لگا ہوں. ایسے لگتا ہے جیسے ۲۰ سال میرے کنڈوں سے ہٹالے گئے ہوں.......... مجھے یہیں ٹھہرنا ہے، میں کسی خدائی مقصد کی خاطر ادھر روک لیا گیا ہوں، یہاں اپنی مریساکہ کو جیتوں، صرف یہی وجہ ہے کہ میں یہاں رک گیا ہوں"

ستم ظریفی یہ ہوئی کہ ۱۹۱۸ کے دسمبر میں مریساکہ ۲۸ سال کی عمر میں انفلزا کی وبا کی لپیٹ میں آکر مر گئی ،جس سے گولڈ زیھر کی زندگی میں تاریکی چھا گئی . ٤ فروری ۱۹۱۹ کو وہ لکھتا ہے: یہ عورت روشنی کی ایک کرن تھی جس کے مر جانے سے ہمارے گرد گہری تاریکی چھا گئی ہے، وہ بلند ذات جو ایک معمابن کر میری زندگی میں داخل ہوئی تھی اب ایک معمابن کر میری روح میں اتر گئی ہے."

اب وہ بیمار ہو چکا تھا، مشکل سے اس نے اپنا مسودہ "مسلم قران کی تفسیر میں رو ہجانات" اپنے دوست اور محقق سنوک ہر گونجی کو ہالینڈ روانہ کیا. ۱۳ نومبر ۱۹۲۱ کو اسکی وفات ہو گئی. نفسیاتی اذیت میں گرفتار آدمی مر چکا تھا، مگر اپنے اسلامی افکار پر کام کی وجہ سے اسکا شہرہ ہر طرف پھیل چکا تھا.

مغرب کے اہل علم گولڈ زیھر کو مغرب میں علوم اسلامیات کا بانی مانتے ہیں. اسکے چاہنے والوں نے تعریف کے جو پل باندھے ہیں اور جو حیثیت اسکو آج بھی حاصل ہے اسکے لئے الگ سے لکھنے کی ضرورت ہے. یہاں ہم ان اعترضات کی بات کرتے ہیں جو اس نے

اسلام پر کئے. تمام مستشرقین کا ماننا ہے کہ گولڈزیھر نے بتایا کہ اسلام کی بنیاد کسی نازل ہوئی وحی پر نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کی کئی نسلوں پر محیط تبدیلیوں کی پیداوار ہے.

١. حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کفار کے اخلاقی اقدار اور رسم ورواج میں سے کچھ چیزیں لیں، جیسے وفاداری اور رسوم جیسے حج مگر انکا اصل کام عرب کفار کے عقائد کی سخت مخالفت تھی ان عقائد کو انہوں نے یہودی اور عیسائی اقدار سے بدل دیا.

٢. حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باطنی ترقی کے ساتھ قرآن کی آیات میں ترمیم کی جس کو بعد میں منسوخی آیات کے قانون کا نام دیدیا گیا. گولڈزیھر پہلا شخص تھا جس نے ثابت کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام میں اور بھی گہری تبدیلیاں ہوئیں جب اسلام عرب سے نکل کر ایک بین الاقوامی قوت بنا اور وہ فارس شام اور یونانی کلچر کے قریب آیا، جب مغربی عیسایت اور مفتوح افریقی لوگوں سے اسکا واسطہ پڑا.

٣. گولڈزیھر کا کہنا تھا مسلمان صیح اور موضوع حدیث میں فرق کرتے ہیں اور حدیث اکھٹی کرنے والوں نے ایسے مشکوک افراد کے نام بھی گنوانے ہیں. اسکا خیال ہے متن اور اسناد دونوں میں گھڑی ہوئی باتیں شامل ہیں. وقت کے ساتھ ساتھ مختلف طبقوں نے اپنے اپنے مفاد اور ضرورت کے تحت حدیثیں گھڑی ہیں. اسکا کہنا ہے فرقہ ظاہر یہ جو قران اور سنّت کو مان کر چلنے کا کہتا ہے مگر جہاں کوئی بات مشکوک ہو انفرادی رائے کو اہمیت دیتا ہے. اسکا خیال ہے تقلید والوں، صوفیوں. فرقہ بندی والوں حتی کہ جدید اسلام کا پرچار کرنے والوں، سب نے قران کے مفہوم کو اپنے اپنے خیالات کے مطابق ڈھالا ہے.

٤. اس نے اسلامی عقائد اور بیان کی گئی حکایات میں باہر کے اثر کی بات کی ہے.

٥. اسکا خیال ہے اسلامی تصوف میں صوفیوں نے فنافی اللہ کا نظریہ بدھ ازم سے لیا ہے، یہ وہ سادھو لائے تھے جو گھومتے پھرتے تھے اور عرب علاقوں تک پہنچے تھے.

عربی نہ جاننے والے مغربی اسکلرز کے لئے جو اسلام سے نابلد تھے یہ معلومات بڑی بات تھیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کئی قسم کی گروہ بندیوں مثلاً شیعہ سنی، اشعری متزلہ قدریہ جبریہ، اہل رائے اور اہل حدیث اور دیگر کی وجہ سے ایسے لٹریچر کی کمی نہ تھی جس سے گولڈزیھر اپنے مطلب کے حوالے اور دلائل اکٹھے کر لیتا، سب کام تو پہلے سے تیار پڑا تھا، مسلمان بہت پہلے ان اشکال جن کا ذکر گولڈزیھر کرتا ہے اور انکے جواب پانے کے دور سے گزر چکے تھے ۔ گولڈزیھر نے پرانی باتوں کو نیے انداز سے پیش کیا گویا جیسے اس نے کوئی نئی چیز دریافت کی ہو ،اسطرح ناواقف مغربی مفکرین کے سامنے اس سے اپنا ایک نمایاں مقام بنایا.

اسکا شاگرد برنارڈ ہیلر گولدزھر کے مرنے کے چند دن پہلے جب اسکو ملنے گیا تو بائبل اور ایک عربی کتاب کو اسکے سامنے کھلا پایا، گولڈزیھر اپنے شاگرد سے مخاطب ہوا، میں نہیں جانتا کہ مجھے اب بھی عربی ادب میں تحقیق کرنی چاہیے جبکہ کل کو میں پوچھا جاؤں گا کہ کیا میں نے اپنی زندگی وفاداری میں گزاری یا نہیں.

ایک مشہور یہودی مستشرق برنارڈ لیوس اسکی یاداشتوں کی کتاب کے پیش لفظ میں لکھتا ہے "گولڈزیھر اسلام پر اپنی تحقیق میں بلاشبہ اپنی تعلیم اور اپنے یہودی ہونے سے متاثر تھا"

اسکی یاداشتیں پڑھ کر کچھ سوال اٹھتے ہیں

کیا وہ عربی گرامر اور عربی ادب کا عالم تھا یا اسلامیات کا؟

اپنی یاداشوں میں وہ عربی ادب کے بارے میں بات کرتا اور حوالے دیتا نظر آتا ہے.

اگر وہ گرامر کا استاد تھا تو کیا قران کریم پر اسکا اس لحاظ سے کوئی کام ہے ؟

یہودیت اور اسلام میں کچھ عملی چیزیں ہوتی دیکھ کر اسکا خیال ہے یہ مذھبی نوسر بازی ہو رہی ہے. جیسے وہ ایک یہودی یوم کیپر کی تقریبات کو دیکھنے کے بعد بیان کرتا ہے. یا پھر ترکی

کے گھومنے والے درویشوں کے رقص کے بارے میں اسکا خیال ہے یہ پاکیزہ نوسر باز ہیں. دمشق میں روزہ اور تراویح کی نماز کے بارے میں بھی اسکے کچھ ایسے ہی خیالات ہیں.

وہ اس عزت کا ذکر بار بار کرتا ہے جو اسکو بیروت اور دمشق میں ایک عربی دان کے طور پر ملی. وہ عربی ادب سے حوالے دیتا ہے تو عرب اسکے گرویدہ ہو جاتے ہیں، اسلامیات کا بھی اسکو علم ہے مگر کیا اس کا امتیاز عربی ادب ہے یا اسلامیات؟

اسکا مشرق وسطی کا سفر کرنا وہاں کے معاشرہ، کلچر اور ادب اور وہاں کے لوگوں کے مذہب اور انکی نفسیات کا مطالعہ کرنا اپنے تحقیقی کام کی غرض سے تھا.

اس نے دین اسلام کی ابتدا اور اسکے ارتقا کو لیکر سوال اٹھائے ہیں علم حدیث کی صحت پر شبہات کا اظہار کیا ہے. گو وہ یہودیت سے مطمئن نظر نہیں آتا مگر اسکی ساری وفاداری خالص یہودیت کے ساتھ ہے اور اسی کو وہ سچا مذہب خیال کرتا ہے، اسکے یہی پختہ تصورات زیر تہ اسلام پر تنقید اور حملہ اور ہونے کی ایک وجہ نظر آتے ہیں. جبکہ دوسری وجہ اس دور میں احیا اسلام کی تحریکوں کا اٹھنا ہے جس سے مغرب خائف تھا.

گولڈزیھر کی کتاب محمدن اسٹڈیز،

احادیث پر اسکے اعتراضات

اس سے پہلے کہ ہم گولڈزیھر کی کتاب محمدن اسٹڈیز میں وارد احادیث پر اسکے اعتراضات کا خلاصہ اسی کی تحریروں کے حوالاجات کے ساتھ پیش کریں مناسب ہے کہ اس کتاب کی بابت جو کہ منکران حدیث کی بائبل ہے کے بارے میں کچھ ضروری معلومات پیش کر دیں. محمدن اسٹڈیز دو حصّوں پر مشتمل ہے جو جرمن میں لکھی گئی کتاب کا ترجمہ ہے.

اس میں حصّہ اول میں عرب قبائل کے رسم ورواج اور دین اسلام، عرب اور عجم، اور طبقہ یبیہ سے متعلق بحث ہے جبکہ حصّہ دوم میں بڑا حصّہ احادیث کی ابتدا، ااسکے ارتقا کے مراحل پر مصنف کی تحقیق پر مشتمل ہے. اس کے علاوہ مصنف نے اس جلد میں ایک بڑا حصّہ مسلمانوں میں اولیا اکرام کے مقام اور انکی تکریم کے ضمن میں بھی لکھا ہے. پھر ایک باب احدیث کے بائبل سے باتیں اخذ کرنے اور ایک باب قران کریم میں بیان واقعات اور بائبل

میں مماثلت پر مشتمل ہے. بہر حال حصّہ دوم خاص طور پر علم حدیث پر ہی لکھا گیا ہے اور اس کتاب کی اہمیت کی وجہ بھی یہی ہے.

گولڈ زیھر نے جو اعتراضات دین اسلام پر کئے ہیں اور جو الزامات جید محدثین، اصحابہ اکرام حتی کہ نبی کریم پر لگاے ہیں انکا مجموئی احاطہ کئے بغیر ہم مصنف کی علمی بدیانتی اور متعصبانہ تحقیق کا ادراک نہیں کر سکتے اور نہ ان نام نہاد مسلمانوں کے احمقانہ پن کا احاطہ کر سکتے ہیں جنھوں نے اپنے انکار حدیث کی سند گولڈ زیھر کے کام سے حاصل کی ہے. بڑی شرم کی بات ہے کہ احادیث پر گولڈ زیھر کے حوالوں سے اعتراضات کرنے والے اس بات سے صرف نظر کر گئے کہ گولڈ زیھر نہ تو نبی کریم کو اللہ کا رسول مانتا ہے، نہ ان پر اللہ کی طرف سے وحی کے اترنے پر یقین رکھتا ہے اور نہ قرآن کریم کو اللہ کا کلام مانتا ہے، بلکہ اسکی تحقیق کہتی ہے کہ مکّہ کے ایک شخص نے ادھر ادھر سے خیالات اور نظریات جمع کر کے ایک دین کی بنیاد رکھی، جو الزامات اس نے احدیث پر لگاے ہیں ویسے ہی الزامات تو اس نے قرآن کریم پر بھی لگاے ہیں. گولدزھر کے خیال میں دراصل مکّہ سے نمودار ہونے والا دین اسلام ایک یہودی فرقہ ہے. گولڈ زیھر کے ان خیالات کی موجودگی سے ان لوگوں کو یعنی منکران حدیث کو اسکے کام کی حقیقت کا خود ہی اندازہ کر لینا چاہیے. احادیث پر گولڈ زیھر کی ریسرچ ایک کٹر یہودی کی متعصبانہ کاوش ہے جس میں اسلام سے بغض کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے.

اپنی کتاب کا پیش لفظ گولڈ زیھر نے نومبر ۱۸۸۸ میں لکھا ،وہ اپنے اس ارادے کا اظہار کرتا ہے کہ اسلام کی پیش رفت پر اس نے جو متعدد مقالے اب تک لکھے ہیں وہ انکو منظر عام پر لانا چاہتا ہے. اس کتاب کا پہلا باب جس کا عنوان رسم و رواج اور دین ہے، دین اسلام کی ابتدا کے وقت عرب قبائل کی حالت اور دین اسلام کی دعوت سے بحث کرتا ہے. ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ عرب قبائل اپنے مرے آباواجداد کی بہت تکریم کرتے تھے انکی یادگاریں تعمیر کرتے تھے، ان سے مرادیں مانگتے تھے اور انکو پوجتے تھے.

گولڈزیھر نے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی زمانہ جاہلیت کی عادات و اطوار اور رسم و رواج عزیز رکھے اور سرزنش کرنے پر بھی باز نہ آے یا پھر دین اسلام ہی کو خیر باد کہہ گئے. دین بمقابلہ رسم ورواج میں مصنف رسم و رواج کی برتری ثابت کرنی چاہتا ہے اور اسکے لئے اس نے چیدہ چیدہ ادبی حوالوں سے بھی کام لیا ہے جیسے شراب کی تعریف میں لکھی گئی عرب شاعری. پھر وہ ان اکا دکا واقعیات پر بھی انحصار کرتا نظر آتا ہے جس میں بقول اسکے اسلام لانے کے بعد بھی کسی نے اپنے باپ کی چھوڑی عورت سے شادی کی یا پھر یہ کہ فلاں شخص نے شادی میں اسلامی شرع کے خلاف دو بہنوں کو جمع کیا . اسکا کہنا ہے بہت سارے عرب ایسے بھی تھے جو سزا کے باوجود تائب نہیں ہوے. وہ حضرت عمر کے دور کے ایک شاعر ابو محجین کا ذکر کرتا ہے جو کہتا ہے: میرے دوست مجھے شراب دو گو مجھے پتا ہے اس کے بارے میں خدا کیا حکم ہے، مجھے خالص شراب دو کہ میرا گناہ وزنی ہو جائے کیوں کہ گناہ اسی وقت مکمل ہو گا جب شراب میں کچھ اور ملا نہیں ہو گا. اس نے ایسی کئی مثالیں دی ہیں جس سے اسکا مقصد اپنی مرضی کے تحقیقی نتائج حاصل کرنا ہے یعنی اسکے مطابق اسلام کے عروج کے زمانے میں بھی اسلام کے اصول رسم و رواج پر حاوی نہیں ہو سکے تھے. گولڈزیھر کا ماننا ہے عرب قبائل میں ایسے لوگ تھے جو اپنی آزادی کو اہمیت دیتے تھے اور اسلام کی عائد کی جانے والی پابندیوں کو ناپسند کرتے تھے. وہ ایسے ہی ایک آدمی ربیع بن امیہ کا ذکر کرتا ہے جو رمضان میں بھی شراب چھوڑنا نہیں چاہتا تھا. حضرت عمر نے اسکو مدینہ سے نکال دیا تو وہ کسی عیسائی ملک کی طرف کوچ کر گیا اور عیسائی بن گیا. ایسی ہی ایک مثال اس نے عمر دوم کے زمانے سے بھی دیکر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ آزادی پسند عرب قبائل کو اسلام کی طرح کا کھانے پینے پر پابندیاں لگانے والا دین پسند نہیں تھا. وہ نماز اور روزہ سے بھی بریت چاہتے تھے. گولڈزیھر نے دو حوالے لانے کے باوجود یہ علمی بد دیانتی کی ہے کہ امر بن ثابت کے متعلق یہ بتایا ہے کہ وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے اور مسلمان انکو جنت کا حقدار سمجھتے

ہیں حالانکہ انہوں نے نمازیں نہیں پڑھیں. گولڈ زیھر یہاں یہ بات جان بوجھ کر نظر انداز کر گیا ہے کہ وہ ایمان لانے کے فورن بعد جنگ میں شامل ہو گئے تھے اور شہید ہو گئے تھے. لہٰذا انکے نمازیں نہ پڑھنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا.

وہ لکھتا ہے، دین اسلام کے آنے سے مذہب اور رواج جو عرب قبائل کو بہت عزیز تھے کے درمیان کشمکش شروع ہوئی کیوں کہ عرب آسانی سے اپنی عادات واطوار بدلنے کو تیار نہیں تھے. عرب قبائل شراب کے بھی بڑے دلدادہ تھے. اسلام نے جب شراب ممنوع قرار دے دی تو اس پر عمل انکے لئے بڑا مشکل تھا. رائیٹر نے اس کتاب کے صفحہ ۳۵ پر ایک حوالے سے واقعہ درج کیا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ حضرت عمر نے نعمان بن عدی کو میسن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا. نعمان بن عدی شاعر بھی تھے، وہاں جا کر انہوں نے شراب کے بارے میں کچھ شعر لکھے جو کچھ یوں تھے

تم اگر ایک اچھے شراب پینے والے ساتھی ہو تو مجھے ایک بڑا جام دو چھوٹا ٹوٹ ہوا پیالہ نہیں. ہو سکتا ہے مسلمانوں کے سپاہ سالار کو پتا چلے تو وہ ناراض ہو کہ ہم دونوں ایک ویران قلعہ میں بیٹھے پی رہے ہیں.

حضرت عمر کو جب پتا چلا تو انہوں نے نعمان بن عدی کو بلوا بھیجا. نعمان بن عدی حاضر ھوے اور کہنے لگے میں شاعر ہوں میں نے تو صرف شعر کہے ہیں شراب بلکل نہیں پی. حضرت عمر نے فرمایا جو تم نے کہا ہے اگر وہ اسی طرح بھی ہے تو بھی مجھے قسم ہے میں آگے سے تمھیں کوئی عھدہ دوں.

گولڈ زیھر کا کہنا ہے بنو امیہ کی حکومت شراب کے بارے میں شاعری روکنے میں معذور تھی.

یہاں نہایت مکاری سے گولڈ زیھر نے اسکو اسلام مخالفت کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے.

اسکا کہنا ہے شراب کی تعریف میں عوامی شاعری صدیوں سے آج بھی جاری ہے اور اس سے محظوظ ہونے کے سلسلہ میں کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی پس یہ دین اسلام کے خلاف ایک جاری احتجاج ہے.

مصنف نے ایک ایسی بات کہی ہے جس کا کوئی وجود نہیں. کیا شراب پر شاعری اسلام کے خلاف احتجاج ہے؟ ایسا کہنا علمی بد دیانتی ہو گی.

بھلا آپ خود سوچیں شراب کو لیکر بر صغیر میں جو بے انتہا شاعری ہے کیا اسکے پس پردہ اسلام کی مخالفت ہے؟

گولڈ زیھر نے اسلام کے اندر اسکے اصولوں سے انحراف اور مخالفت کی بات کی ہے. یہ ایک باریک نکتہ ہے جس کو آگے پھیلا کر اس نے اسلام کو ہدف تنقید بنایا ہے

اپنی کتاب کے پیج ۳۹ پر گولدزھر لکھتا ہے: سچے ایمانداروں سے جو اعمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے وہ عربوں کی سوچ اور مزاج کے خلاف تھے. دین اسلام کے تمام اعمال اور رسومات میں نماز سے زیادہ اور کسی چیز کی مزاحمت نہیں کی گئی، زمانہ قدیم کی عرب روایات اور دین اسلام میں یہ نہ مٹنے والا معاشرتی فرق ہے.

عرب نام کے تو مسلمان ہو گئے مگر وہ اسکے احکامات کو دل سے تسلیم نہ کر سکے کہ انکا مزاج اور احساسات اسلام سے میل نہیں کھا رہے تھے.. نئی تعلیمات جتنی کم سمجھی گئیں اتنا ہی ان پر پر عمل کیا گیا جس کی وجہ سے دین کے کٹر ماننے والوں نے اسلامی تعلیمات کو وزن دینے کی خاطر ان سے متعلق بیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا شروع کر دیے. یہ ایک لغو بہتان ہے جو گولڈ زیھر نے اس وقت کے پاکباز مسلمانوں پر لگایا ہے.

وہ حجتہ الودع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے بارے میں کہتا ہے کہ لوگوں نے اور باتیں بھی اس خطاب سے منسوب کرنا شروع کر دی تھیں. اسکا ماننا ہے دوسری صدی ہجری تک یہ اسلامی تعلیمات کی ایک اہم ترین دستاویز مانی جانے لگی تھی. آگے وہ کہتا ہے "اس

میں علما اسلام کے تاثرات بھی شامل تھے جسکے بارے میں انکا خیال تھا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے عین مطابق ہیں"

یہ کوئی معمولی فقرے نہیں جو اس نے لکھے ہیں، یہ اسلامی تعلیمات کو مشکوک ظاھر کرنے کی اسکی مذموم کوشش ہے. مصنف نے اپنے دعوی کے ثبوت میں الدارمی سے ایک حوالہ نقل کیا ہے جہاں حجتہ الودع کے خطاب میں مندرجہ ذیل کا اضافہ ملتا ہے. "لوگوں کو ایسے آدمیوں پر تفاخر سے رک جانا چاہیے جو جہنم کا ایندھن ہیں." "بیشک اللہ کی نظر میں انکی حیثیت ناک پر بیٹھنے والی مکھی کے فضلہ سے بھی کم ہے."

اشارہ عرب قبائل کے اسلاف کی طرف ہے جن کو وہ فخر سے یاد کرتے تھے.

کیا اپنی طرف سے کسی نے ان فقرات کا اضافہ کیا اپنی بات کا وزن بڑھانے کی خاطر یا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تھے، یہ ایک تحقیق کرنے کی بات ہے. مگر یہاں جو مقصد یہودی مصنف حاصل کرنا چاہتا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے. اسکا منشا ہے کہ وہ ایک اصول وضع کرے، وہ یہ کہ اسلام زمانے کے ساتھ ساتھ وقتی ضرورتوں اور مصلحتوں کے تحت بدلتا رہا ہے. اگر ایسا ہوا ہے تو پھر اصل اسلام کیا باقی ہے؟ اگر ہے تو وہ کون لوگ ہیں جو اس پر عمل پیرا ہیں؟ اگر نہیں تو پھر جو اصول گولڈ زیھر گھڑنا چاہتا ہے وہ غلط ہے.

مصنف کا سارا زور اس بات پر ہے اور جس کے لئے وہ عرب ادب سے کئی مثالیں بھی پیش کرتا ہے کہ عرب کیوں کر اپنے رسم ورواج کے ساتھ سختی سے جڑے ہوے تھے لہٰذا انکو باز رکھنے کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب بہت سی باتیں اسلام میں داخل کی گیں. یہ ایک بھیانک الزام ہے جو اس وقت کے اہل تقویٰ تابعین اور تابع تابعین پر لگایا گیا ہے وہ ان چیدہ چیدہ لوگوں کا ذکر تو کرتا ہے جو اسلام کی مخالفت میں مرتد ہو گئے یا اسلام میں داخل نہیں ہوے اور انکی تاریخ کو ریکارڈ پر لاتا ہے مگر ان اوللعزم عربوں کا ذکر نہیں کرتا جو اسلام لاے اور جو اکثریت میں تھے. اسکو اس گروہ کا ذکر بھی کرنا چاہیے تھا جنہوں نے اپنی

زندگیاں اسلام کے لئے وقف کر دیں اور انکی زندگیوں کو اسلام نے تبدیل کر دیا اور انہوں بے بلا جھجک اپنی جانوں کو اسلام پر قربان کر دیا اور یقینن یہ گروہ بڑا تھا اور وہی حاوی بھی ہوا. جو ناکام ہوے انکے دین اسلام کے ساتھ نہ چلنے کو دین اسلام کے خلاف مزاحمت کی منظم تحریک کہنا مناسب نہیں جس کی جڑیں عرب قبائلی رسم ورواج میں تھیں.

اگر کچھ لوگ داستانیں مشہور بھی ہوئی اور کچھ ایسی باتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی گئی ہوں جو سچ نہیں تھیں تو اہل علم نے انکا تدارک کیا ہے انکی حمایت نہیں کی لہٰذا مصنف کا یہ الزام کہ اہل تقویٰ ایسی باتیں گھڑتے تھے درست نہیں ہو سکتا.

آج بھی اگر کوئی مقامی طور پر دین میں نئی باتیں داخل کرتا ہے جیسے کونڈے، تعزیے وغیرہ یہ آجکل جو مسلمان ہندوانہ تہوار بسنت مناتے ہیں یا عیسائی تہوار ویلنٹائین مناتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں دین کو اصل حالت میں قائم رکھنے والوں کا گروہ بھی باقی رہتا ہے یا نہیں؟ خالص دین کبھی ختم نہیں ہوا وہ آج بھی موجود ہے اپنے عمل پیراؤں کے بیچ بڑی شان کے ساتھ زندہ جاوید ہے.

مصنف کو اس نکتہ پر بھی غور کرنا چاہیے تھا. طے شدہ مقاصد حاصل کرنے سے زیادہ سچی بات بیان کرنا تحقیق کا مقصد ہونا چاہیے ، یہ مستشرقین کی بدنیتی ہے جس کا ذکر پروفیسر ایڈورڈ سعید

نے اپنی شہرہ آفاق کتاب اورینٹل ازم میں کیا ہے.

اپنی کتاب میں گولڈزیھر نے شمال میں رہنے والے عرب اور جنوب میں رہنے والے عربوں کے درمیان عداوت کا ذکر کیا ہے جس کے زیر اثر وہ اسلام لانے کے بعد بھی رہے. وہ ایک دوسرے کے آدمی کو دور دراز کے علاقوں میں کوئی بڑا منصب ملنے پر اعتراض کیا کرتے. اب مصنف اپنے اصل ہدف کی طرف آتا ہے،

وہ کہتا ہے اسکا خیال ہے یہ آپس کی عداوتیں کئی احادیث گھڑنے کا باعث بنیں۔ جسکی ایک مثال وہ انصار کی اس حدیث سے دیتا ہے جس میں ایک انصاری نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ انتظامیہ میں باقیوں کی طرح اسکو بھی کوئی ذمہداری دیں گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، میرے دنیا سے جانے کے بعد تمہیں دوسروں کے ترجیحی سلوک سے واسطہ پڑے تو تم صبر کرنا حتی کہ تم مجھ سے آن ملو۔ گولڈزیھر کا کہنا ہے پہلی دو ہجری صدیوں میں ان دو گروہوں کی عداوت کے باعث بیان کی گئی احادیث کو اس کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا۔ اسکا یہ بھی کہنا ہے کہ مسلمان حکمران اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی خاطر بھی شمال اور جنوب کے عربوں کو آپس میں لڑائے رکھتے تھے۔ مصنف یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ اسلام کا مساوات کا اصول عربوں میں کامیاب نہیں ہوا۔

گولڈزیھر نے کوشش کی ہے وہ بتلائے کہ مدینہ کے انصار اور مکّہ کے قریش کے درمیان بھی عداوت تھی۔ اسکا کہنا ہے مکہ کے قریش انصار مدینہ کو اپنے سے کم تر خیال کرتے تھے۔ ایک تو انمیں شمال جنوب کی عداوت اور اوپر سے یہ عداوت وہ اسلام میں رہ کر بھی ایک مقابلہ بازی میں پڑ گئے اور اسلام کو بھی اپنی اپنی حمایت کے لئے استعمال کیا۔ پیج ۹٤ ۔

ہم دیکھتے ہیں گولڈزیھر اپنا کیس قدم بہ قدم کس طرح تیار کرتا ہے اور پھر یہ بھی دیکھیں گئے وہ اس سے چاہتا کیا ہے۔ اسکے بعد ہی ہم اپنی طرف سے دلیل اور اصل حقائق پیش کر سکتے ہیں۔

گولڈزیھر اپنی کتاب کے باب سوم کی ابتدا ان فقرات سے کرتا ہے۔

بڑے عرصہ تک اسلام کے بتلائے انسانوں کے درمیان مساوات کے اصول مردہ الفاظ ہی رہے اور قبائلی عربوں کے شعور میں یہ گھر نہ کر سکے۔ ان آدرشوں کو اپنے روزمرہ کے ایک دوسرے کے ساتھ سلوک میں روا نہیں رکھا گیا۔ اب مصنف اپنے کینوس کو مزید پھیلاتا ہے اور عرب کے بعد اب عجم کو بھی اس بحث میں شامل کرتا ہے۔ اسکا کہنا ہے عرب غیر عرب کو

اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے. ایسی مساوات پیدا کرنے کے لئے وہ اسلام کے خیر خواہ لوگوں کی ان کوششوں کا ذکر کرتا ہے جس کا مقصد برابری کا حصول ہے. بقول اسکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبہ میں ان الفاظ کا ذکر اضافہ ہے کہ عرب کو غیر عرب پر اور غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں.....

پھر ان نو مسلموں کے عربوں میں ضم ہونے سے نیے مسائل نے جنم لیا. غیر عرب لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب کہ عرب لکھنے پڑھنے سے جی چراتے تھے وہ پڑھنا لکھنا اپنے لئے ضروری خیال نہیں کرتے تھے. یہی وجہ ہے جب غیر مسلم قیدی بنائے گئے تو انکی آزادی کے بدلے کسی مسلم کو پڑھانا لکھانا مقرر ہوا. جو غیر عرب عرب قبائل میں ضم ہوے انکو موالی کہا گیا. مصنف ایک طرف جہاں مسلمانوں کے آپس میں عملی طور عدم مساوات کی بات کرتا ہے وہیں پر اس نے عجم کے اثر رسوخ کو اس ایک واقعہ سے ظاہر کیا ہے. مگر گولڈ زیھر کی دلیل کے بر عکس اس سے تو ثابت ہوتا ہے اسلام میں کوئی عدم مساوات نہیں تھی

جب امام زاہری کو خلیفہ عبدالمالک کے دربار میں پہلی دفعہ پیش کیا گیا تو انکے درمیان مکالمہ کچھ یوں ہوا

خلیفہ. تو کس جگہ سے اے ہو

امام. مکّہ سے

خلیفہ. جب تم وہاں تھے تو لوگوں پر کس کی حکمرانی تھی؟

امام. عطا بن رباح کی

خلیفہ. یہ شخص عرب ہے یا موالی

امام. موالی

خلیفہ. مکّہ میں وہ اتنا اثر ور سوخ حاصل کرنے میں وہ کیسے کامیاب ہوا

امام. اپنی دین داری اور حدیث و روایت کا علم رکھنے کی وجہ سے

خلیفہ. یہ درست ہے جو خدا کا خوف رکھے اور سنّت سے واقف ہو وہ باقیوں سے ممتاز ہونے کا حقدار ہے، یمن میں کون حکمران ہے؟

امام. تونس بن کیسان

خلیفہ. کیا وہ عرب ہے یا موالی

امام. موالی

خلیفہ. اس نے یہ مقام کیسے حاصل کیا؟

امام. انہی وجوہات کی بنا پر جو خوبیاں عطا میں بیان کی ہیں

خلیفہ نے یہ سوال تمام صوبوں کے بارے میں پوچھا اور امام الظاہری نے اسکو بتایا کہ مصر میں حکومت یزید بن ابوالحبیب کے پاس ہے جو ایک قیدی کا بیٹا ہے جس کو کابل سے لایا گیا تھا.

ماموں بن مہران میسوپوٹامیا میں، الزہاق بن العظیم خراسان میں الحسن بن الحسن بصرہ میں ابراہیم ا لنکاہی کوفہ میں حکمران ہیں اور یہ سب موالی ہیں.

خلیفہ عبدالمالک نے اس پر حیرت کا اظہار کیا اور کہا پھر تو ایک دن موالی خلافت عربوں سے لیکر انکو اپنے زیر کر لیں گئے، امام الظاہری نے جواب دیا بلکل ایسا ہی ہے کیونکہ اللہ کا حکم یہی ہے کہ جو اسکے دین اور احکام پر چلے گا وہی کامیاب ہو گا اور اسکا مخالف ناکام.

کیا تاریخ کے ان واقعیات سے جن کا ذکر خود گولڈزیھر نے کیا ہے اسلام کی مساوات کی خوشبو آتی ہے یا مسلمانوں میں آپس میں عداوت کی؟

عرب ادب خاص طور پر شاعری جس کا رواج عام تھا اور ہر قبیلہ کا اپنا شاعر ہوتا تھا جو اپنے قبیلہ کی تعریف اور مخالف قبیلہ کی تضحیک کرتا تھا. لوگوں کے شجرہ نسب کھنگالے جاتے تھے اور انکو انکے باپ دادا کے کسی برے کام کو لیکر ذلیل کیا جاتا تھا. گولڈزیھر کا کہنا ہے یہ

حالت اسلام آنے کے بعد بھی جاری رہی اس سلسلہ میں وہ پہلی اور دوسری صدی ہجری کے ادب یعنی شاعری کا حوالہ دیتا ہے. اب اسلام لانے پر بہت سے غیر عرب بھی عرب سرزمین پر آکر آباد ہو گئے. جس قبیلہ کے ساتھ وہ منسلک ہوے اسکے موالی کہلاے جس کے معنی ساتھی یا برابر کہ ہیں گو بقول یہودی محقق گولڈزیھر کے وہ برابر نہیں سمجھے جاتے تھے.

سوال یہ ہے اس سلسلہ میں مسلم موقف اور تحقیق کیا کہتی ہے؟

موالی کو کس طرح مذاق کا یا طنز کا نشانہ بنایا جاتا تھا اس کی مثال گولڈزیھر دیتا ہے وہ کہتا ہے ایک نظم میں شاعر کہتا ہے: "اگر عبداللہ موالی ہوتا تو میں اس پر تنقید کرتا مگر عبداللہ تو موالی کا بھی موالی ہے، یہ مجھ جیسے شاعر کی شان کے خلاف ہے کہ میں اس پر طنز کروں.

حتی کہ مرنے پر قبر پر بھی لکھا جاتا تھا فلاں بن فلاں موالی فلاں. بقول گولڈزیھر دوسری صدی ہجری میں کوفہ میں موالیوں کے لئے الگ مسجد ہوتی تھی. عمر دوم سے پہلے موالیوں کو مال غنیمت میں پورا حصّہ نہیں دیا جاتا تھا. یہ سب باتیں وہ یہ بتانے کے لئے کہ رہا ہے کہ جو برابری کی تلقین دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں، معاشرہ اس پر عمل پیرا نہیں ہوا.

آگے وہ لکھتا ہے باندی کے بیٹے کو کمتر سمجھا جاتا تھا. کسی عرب کے حسب نسب میں دور زمانہ میں بھی اگر کوئی غلام عورت ہوتی تو اسکو اسکی نسل میں سے ہونے پر شرم دلائی جاتی تھی. یہاں مصنف نے غلام اور انکے حقوق کو لیکر اسلام پر ایک اور اعتراض کیا ہے. اسکا کہنا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں اسلام نے غلاموں کے ساتھ اچھے سلوک کی بنیاد رکھی ہے اور ان سے اچھے سلوک کو آقا کی ذمداری قرار دیا ہے مگر اسکا کہنا ہے حمبلی فقہ کے علاوہ کسی دوسرے فقہ نے غلاموں کی گواہی کو قبول نہیں کیا جبکہ روایت پسند اور قدامت پسند انکی گواہی کو تسلیم کرتے ہیں.

" تم سب کچھ بھی نہیں ہو غلام اور لونڈیاں ہو " مصنف کا کہنا ہے اسلام نے غلام کو پوری اخلاقی برابری عطا نہیں کی. جب غلام کو اخلاقی طور پر جانچا گیا ہے تو اسکو کم تر تصور کیا گیا ہے، بقول مصنف اسکا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوتا ہے جنھوں نے غلام کی ذمداری کا تعین کیا. ایک غیر اخلاقی حرکت کرنے والی لونڈی کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی اور اس سے پھر غلاموں کی آدھی سزا کا اصول وضح ہوا.

سوال یہ ہے جو غلام کی آدھی سزا رکھی گئی کیا یہ بغیر کسی وجہ یا بغیر کسی مصلحت کے ہو سکتی ہے ؟ پہلی بات تو یہی ہے جو اپنی من مانی کرنے میں آزاد نہیں اس پر آزاد والی سزا کیونکر لاگو ہو ؟ یہ قرین انصاف ہی نہیں دکھتا.

حضرت شاہ ولی اللہ رح نے اس بارے میں اپنی کتاب حجت للہ البالغہ میں فرمایا ہے. " کیونکہ لوگوں کے دو طبقے ہیں (کوئی آزاد اور کوئی غلام) اسی لئے اسی مناسبت سے انکے احکام متعلقہ بھی مختلف ہیں ".

شاہ صاحب کا فرمانا ہے " جب تمہاری لونڈی فعل بد کی مرکب ہو تو اسکو کوڑے لگاو. جب واقعیات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے بعض آقا اپنے غلاموں کو بلا وجہ زد و کوب کرتے ہیں اور بہانہ یہ تراشتے ہیں کہ وہ چور یا بد چلن ہے. بنا براں شریعت نے اس بارے میں یہ اصول اختیار کیا ہے کہ لونڈی اور غلام کی سزا آزاد مرد و زن کے مقابلے میں آدھی ہو. شریعت نے یہ بھی قرین مصلحت سمجھا کہ قتل اور قطع ید کے بارے میں مالک کو کوئی اختیار حاصل نہ ہو لیکن اس سے کم درجہ کی سزاؤں پر انکو اختیار حاصل ہو.

گولدزھر اب آگے ان عورتوں کا ذکر کرتا ہے جو جنگ میں مال غنیمت کے طور پر آئیں اور پھر ان سے نکاح کیا گیا تو انکی اولاد کو آزاد عورت کی اولاد کے مقابلے میں کم جانا گیا یا کسی نے موالی کی بیٹی سے شادی کر لی تو اسکی اولاد کو کمتر سمجھا گیا. فقہ کے ماہرین نے اس سلسلہ میں حضرت اسماعیل کا حوالہ دیا ہے جو ایک لونڈی حضرت ہاجرہ سے پیدا ہوے تھے جبکہ

حضرت اسحاق انکی آزاد بیوی حضرت سائرہ سے پیدا ہوے تھے. پھر عرب معاشرے میں آزاد عورت کی شادی کا معاملہ بھی مصنف نے اٹھایا ہے، جو اپنے سے کمتر حیثیت کے مرد سے شادی نہیں کر سکتی تھی.

مصنف کا مقصود ہے کہ ثابت کرے کہ برابری مفقود تھی.

مصنف کہتا ہے عربوں کا اپنے ساتھ تعصب دیکھ کر موالیوں نے اپنے نام عربوں جیسے رکھنے شروع کر دیے تھے اور اپنا حسب نسب عربوں سے جوڑ کر بتانا شروع کر دیا تھا. یہ وہ کام ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے.

مصنف لکھتا ہے پھر اسلام میں ایک اور نیا عنصر داخل ہو گیا یہ نو مسلم ایرانی تھے. یہ لوگ عربوں کے مقابلے میں پڑھنا لکھنا جانتے تھے اور جلد ہی انہوں نے مسلمان سلطنت میں بڑے بڑے عھدے حاصل کر لئے اور خلیفہ کے دربار تک رسائی حاصل کی. یہ لوگ اپنی ایرانی تہذیب پر نازاں تھے اور اسے عرب سے برتر سمجھتے تھے. ان لوگوں کی وجہ سے ایک علمی گروہ پیدا ہوا جو شعیبیہ کہلایا اور اس میں موالی بھی شامل تھے جنہوں نے اگلی دو صدیاں عربوں کے حسب نسب پر ادب اور شاعری پر خوب طنز اور تقید کے وار کئے. یہ ایک طاقتور تحریک تھی. اس کا ایک بڑا نام ابو عبیدہ تھا جو ایرانی نسل سے تھا جس کا پر دادا ایک ایرانی یہودی تھا. اس نے عربوں کو حسب نسب اور قدیمی ورثہ کے بارے میں کمتر ظاہر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی. ایرانیوں نے عرب زبان کی برتری کو بھی چیلنج کیا اور کہا فارسی اور یونانی عربی سے زیادہ بہتر زبانیں ہیں. یہ سب چوتھی صدی ہجری کی باتیں ہیں، اس گروہ کا زور چھٹی صدی ہجری تک رہا جب الزمکش شرف جو خود بھی ایرانی تھا عربوں کی حمایت میں کھڑا ہوا اور گرامر پر اپنی مشہور کتاب الافضل لکھی.

لفظ جاھلیہ کی تشریح

مصنف نے عربی زبان کے لفظ جاہلیہ کے اصل معنی اور مفہوم کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسلام نے اپنے سے پہلے دور کو دور جہالت کہا ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟ پہلی بات جو طے ہے کہ یہاں جاہلیہ کا اطلاق مذھب کے حوالے سے کیا جا رہا ہے۔ مذاھب کے حوالے سے دین اسلام کے تین ادوار ہیں یہودی دور، عیسائی دور اور اسلام کا دور۔ مسلمانو کا ماننا ہے کہ دین ابراہیمی کی تکمیل اسلام کے آنے پر ہوئی، اس لحاظ سے پھر پہلا دور جہالت کا نہ ہوا۔

قرآن کریم نے اشارہ دیا ہے کہ عربوں کی زندگی کے دو ادوار ہیں ایک جہالت کا اور ایک اسلام کا۔ مصنف کا کہنا ہے اسلام نے ان پڑھ یا لاعلم ہونے کو جہالت نہیں کہا۔ جہالت کا تعلق انسان کے رویہ سے ہے ایک آدمی اگر ظالم تند خو اور جھگڑالو ہے جنگلی اور خونخوار ہے تو وہ جھل میں مبتلا ہے، جاہل ہے، اسکے بر عکس لفظ حلم، شائستگی ہے، ایک نرم خو بااخلاق آدمی حلیم ہے۔

مصنف نے اس نکتہ کی وضاحت میں عربی شاعری اور ادب سے حوالے دیے ہیں۔ عربوں نے جھل کو پوری طرح رد بھی نہیں کیا کہ کبھی یہ کام بھی آتا ہے

اسلامی فہم میں انسان اپنی اچھی عادات واطوار اور اعمال کی وجہ سے مومن ہے اور جو اسکے بر عکس ہے وہ جاہل ہے۔ ربعی بن خیثم کا کہنا ہے مومن کو نقصان نہ پہنچاؤ اور جاہل پر ظلم نہ کرو

اسلام آنے سے پہلے کفار کے زائرین اپنے مناسک ادا کرنے وادی منی میں قیام کرتے جہاں وہ نظمیں گاتے اور انمیں اپنے مرنے والے آباواجداد کی تعریفیں بیان کرتے۔

اسکا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے ۲-۱۹۹ "پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے اباواجداد کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے بڑھ کر ہو"۔

کفّار اپنے ابا و اجداد کی قسمیں بھی کھاتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی ممانیت فرمادی اور قسم کھانے کو صرف اللہ تعالی کی قسم کھانے تک کے لئے خاص کر دیا کہ

قسم کھانی ہو تو اسی کی کھائی جائے. مصنف کا کہنا ہے کفریہ دور کے کچھ رسم و رواج اسلام میں بچے رہے. جیسے کفار کے لئے انکی قبریں اور انکے ساتھ منسلک عقاید بڑی اہمیت کے حامل تھے. وہ اپنے مردوں اور اپنے آبا و اجداد سے عقیدت رکھتے تھے انکی قبروں پر اونچے پتھر نصب کرتے تھے. عرب قبائل کے تصورات میں انکے مردوں کی عزت و تکریم تھی.

قرآن نے ۵-۹۰ میں اسکا ذکر کیا ہے اور انکو رد کیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

"اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب جوا اور بت اور قرعہ کے تیر سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں سو ان سے الگ رہا کرو تا کہ تم کو فلاح ہو".

مصنف اونچے پتھروں کا ذکر کرتا ہے جو قبر پر عرب نصب کرتے تھے اور وہ الانصاب کہلاتا تھا. یہ قبر والے کی عزت و احترام کا نشان ہوتا تھا.

حاتم جو طائی قبلہ سے تعلق رکھتا تھا، ایک سخی اور غنی آدمی مشہور تھا، اس کی قبر پر بھی ایک بڑا پتھر کھڑا کیا گیا اور کچھ عرصہ بعد وہاں سے گزارنے والے حاتم کے مرنے کے بعد بھی اس سے سخاوت کی امید کرتے تھے.

امر بن طفیل جو حالت کفر میں مرا حضور نبی کریم کا مخالف تھا، اسکی قبر کے ایک میل کے دائرہ میں انصاب نصب کئے گئے اور انکے اندر کسی جانور یا انسان کا آنا ممنوع ٹھہرایا. اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں سے منع فرمایا ہے.

کفّار اپنے دشمن سے بچنے کے لئے دشمن کے آبا و اجداد کی قبروں کے پاس پناہ بھی لیا کرتے تھے. منصف کہتا ہے یہ سلسلہ اسلام کے بعد بھی جاری رہا.

شاعر اقابل بن شہاب نے حجاج کے خلاف کچھ اشعار لکھے جس پر حجاج اسکی جان کے درپے ہوا تو اس نے خلیفہ وقت عبد المالک کے باپ مروان کی قبر پر خیمہ لگایا اور پناہ لی. خلیفہ

نے اپنے گورنر حجاج کو لکھا اسکی جان بخشی کر دو. ایسی پناہ اب بھی مراکش میں زیر عمل ہے. مصنف کا کہنا ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو اسلام نے کفریہ دور سے لی ہیں. اسی طرح خانہ کعبہ بھی پناہ کی جگہ تھی. مصنف کا کہنا ہے ایسی اور بھی کئی رسمیں تھیں جو اسلام میں خاموشی سے داخل ہو گئیں اور انکو مسلم پاکیزگی کا درجہ حاصل ہو گیا.

اسلام کسی بھی موت پر مشرکانہ رسم ورواج کی ممانعت کرتا ہے، جیسے ماتم کرنا، بین ڈالنا ، منہ پیٹنا، کپڑے پھاڑنا، سر کے بال کاٹ دینا، اسلام صبر کی تلقین کرتا ہے، صبر کو خدا کے قرب کا ذریعہ بتاتا ہے. اپنی شہادت سے پہلے حضرت حسین نے اپنی بہن سے کہا، اللہ کے ساتھ صبر میں اپنا اطمینان تلاش کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہم اور تمام مسلمانوں کیلئے مشعل راہ ہے، نہ اپنے کپڑے پھاڑنا نہ بین کرنا اور اپنا منہ نوچنا.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر کو کوسنے سے منع فرمایا ہے یہ کام بھی کفّار کرتے تھے. پھر کفّار قبروں پر خیمہ لگایا کرتے تھے اور اس میں قیام کرتے تھے. ایسی رسم سے بھی اکابرین دین نے منع کیا ہے. ابن عمر نے جب عبدالرحمان بن ابی بکر کی قبر پر خیمہ دیکھا تو اپنے نوکر کو حکم دیا اسکو اکھاڑ پھینکو.

حضرت ابوہریرہ نے وصیت کی کہ میری قبر پر خیمہ نہ لگانا. حضرت عمرو بن العاص نے بھی اسی طرح کی وصیت کی تھی. مگر پھر بھی آٹھویں صدی ہجری میں بقول مصنف شاعر ارتات نے اپنے بیٹے کی موت کے غم میں اسکی قبر پر خیمہ لگایا اور ایک سال تک اسکے اندر قیام کیا. رائٹر ایک نظم کا حوالہ دیتا ہے کہ حضرت علی کے پوتے الحسن کی اہلیہ نے انکی قبر پر خیمہ لگایا

گو اسلام نے اس کام سے منع کیا مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں خیمہ تو کیا اب تو پکے مزار اور مقبرے بن گئے ہیں جن کو سجایا بھی جاتا ہے. بڑی بڑی یادگاری عمارتیں تعمیر ہونے لگی ہیں. یہ سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا تھا اسکی مخالفت میں ہو رہا ہے. کہ قبروں کو عبادت کی جگہ نہ بنا دیا جائے اس کو اس بات سے اور بھی تقویت ملتی ہے جب مقبروں کا

ڈیزائن بھی مسجدوں جیسا ہوتا ہے. تمام کوششوں کے باوجود دین اسلام میں مشرکانہ رسم و رواج پر عمل جاری ہے.

ان تمام کمزوریوں کے باوجود یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں رہا جبکہ مصنف کا علمی زور اسی بات کو ثابت کرنے پر ہے.

یہ جلد اول کی موٹی موٹی باتیں تھیں آگے جلد دوم کا تذکرہ آیا چاہتا ہے.

محمدن اسٹڈیز

حصّہ دوم

گولڈزیھر نے محمدن اسٹڈیز حصّہ دوم کا پیش لفظ جولائی ۱۸۹۰ میں لکھا اور کچھ ان اسلامی کتب کے نام دیے جس سے اسنے حوالے حاصل کئے ، اسی سے ملتا جلتا کام اسکا ایک اور یہودی ہم عصر ویلھاوسن بھی کررہا تھا جو اس کتاب سے پہلے چھاپ گیا جس کی وجہ سے گولڈزیھر کو اپنے مسوادت سے کچھ باتیں خارج کرنا پڑیں، جس کا ذکر اس نے کیا ہے. پتا چلتا ہے اس زمانے میں یہودی محققین کا پورا ایک گروہ منظم طور سے اسلامی نظریات پر علمی وار کرنے پر کام کررہا تھا، جس میں ویلھاوسن کے علاوہ کرسچین سنوک جوزف ساخت اور تھیوڈور نولڈک جیسے لوگ شامل تھے.

اپنی کتاب کی جلد دوم کا آغاز گولڈزیھر نے لفظ حدیث کی تعریف سے کیا ہے، شروع میں جس کے معنی اس نے کہانی بیان کرنے کے لئے ہیں، پھر اس نے لفظ حدیث کے مختلف استعمال کی مثالیں دی ہیں، جس میں قران کو بھی ایک بیان میں حدیث کہا گیا ہے. بحر حال ہمیں تو حدیث کے وہی معنی درکار ہیں جو مروجہ ہیں اور جس کا مفہوم مسلمانو کے ذہن میں وہی آتا ہے یعنی حضور ﷺ کے اقوال ،افعال اور تقریرات کے مجموعہ کو حدیث کہتے

ہیں، اقوال سے مراد آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات ہیں، افعال سے مراد آپ ﷺ کے اعضاء سے ظاہر شدہ اعمال ہیں اور تصدیق سے مراد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کچھ کیا یا کہا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا نکیر نہ کی اور اس سے یہی سمجھا گیا کہ اس عمل یا قول کی حضور ﷺ نے تصدیق فرمادی ہے تو اسی تصدیق کو ''تصدیق'' کہتے ہیں اور آپ کی یہ تصدیق تقریری صورت کہلاتی ہے۔

گولڈ زیھر نے اپنی کتاب محمدن اسٹڈیز کی جلد دوم باب حدیث و سنّت کے صفہ ۱۸ پر لکھتا ہے :

"پیغمبر علیہ سلام کے پاکباز پیروکاروں نے اپنے آقا کی کہی ہوئی باتوں کو عزت واحترام دیا، انکو یاد رکھا، انکو محفوظ رکھنے کی تگ ودو کی تاکہ مسلمانوں کی رہنمائی کی جاسکے. انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلے عام کہی باتوں اور ذاتی طور پر کہی ہوئی باتوں کو جمع کیا جو مذہبی فرائض کے ضمن میں تھیں کہ عام طور پر زندگی کیسے گزارنی چاہیے. سماج میں ایک دوسرے کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے. اسکا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے.

تیزی سے ہوتی ہوئی فتوحات نے اس نیک گروہ کو دور ملکوں تک پھیلا دیا، ان لوگوں نے یہ احادیث ان لوگوں تک پہنچائیں جنھوں نے ان کو اپنے کانوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تھا اور ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس میں کچھ سود مند باتیں اپنی طرف سے داخل کر دیں، جو وہ خیال کرتے تھے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات کے مطابق ہی ہیں اور اس گروہ کے خیال میں جائز طور پر انکو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاسکتا ہے . یہ احادیث عموما مذھبی اور قانونی معاملات سے متعلق تھیں جنکا تعلق اعمال سے تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سامنے اے تھے. وہ عمل جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں انجام دیتے تھے اور جو پھر پوری اسلامی دنیا کے لئے ایک مثال کا درجہ رکھتے تھے."

یہ پاکباز اصحابہ اکرام پر ایک بہتان عظیم ہے کہ وہ اپنی طرف سے باتیں داخل کرتے تھے۔ وہ ایسی جرات کر ہی نہیں سکتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے وہ بات کہتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کہی ہوں۔ یہ کتنا بڑا گناہ ہے وہ اس سے پوری طرح آگاہ تھے۔ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود آج کا کمزور سے کمزور مسلمان بھی یہ گستاخی کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تو وہ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔ اور انہوں نے اخلاق حسنہ کی تربیت آپ سے حاصل کی تھی۔ نعوذ باللہ اگر یہ انکے اخلاق کا نمونہ ہو تو پھر باقی کیا بچا؟۔ گولڈزیھر کی اس گستاخی کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

کیا اصحابہ قرآن کریم کی اس آیت سے ناواقف تھے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ ٱلْكِتَـٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَـٰذَا مِنْ عِندِ ٱللَّهِ لِيَشْتَرُوا۟ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۲-۷۹

تو بڑی خرابی ان کی ہو گی جو لکھتے ہیں (بدل سدل کر) کتاب (توریت) کو اپنے ہاتھوں سے پھر کہدیتے ہیں کہ یہ (حکم) خدا کی طرف سے ہے غرض (صرف) یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کر لیں۔ سو بڑی خرابی (پیش) آویگی ان کو اس کی بدولت (بھی) جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہو گی ان کو اس کی بدولت (بھی) جسکو وہ وصول کر لیا کرتے تھے۔

کیا انکو ان اقوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نہیں تھا؟

حدثنا ابو معمر، قال: حدثنا عبد الوارث، عن عبد العزیز، قال انس: إنه ليمنعني ان احدثكم حديثا كثيرا، ان النبي صلى الله علیہ وسلم، قال: "من تعمد علي كذبا فليتبوا مقعده من النار".

ہم سے ابو معمر نے بیان کیا، ان سے عبد الوارث نے عبد العزیز کے واسطے سے نقل کیا کہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے بہت سی حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ البخاری ۱۰۸

حدثنا مكي بن إبراهيم، قال: حدثنا يزيد بن ابي عبيد، عن سلمة، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم، يقول: "من يقل علي ما لم اقل فليتبوا مقعده من النار".

ہم سے مکی ابن ابراہیم نے بیان کیا، ان سے یزید بن ابی عبید نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص میرے نام سے وہ بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ البخاری

حدثنا ابو الوليد، قال: حدثنا شعبة، عن جامع بن شداد، عن عامر بن عبد الله بن الزبير، عن ابيه، قال: قلت للزبير: إني لا اسمعك تحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كما يحدث فلان وفلان، قال: اما إني لم افارقه ولكن سمعته، يقول: "من كذب علي فليتبوا مقعده من النار".

ہم سے ابو الولید نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے، ان سے جامع بن شداد نے، وہ عامر بن عبد اللہ بن زبیر سے اور وہ اپنے باپ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے اپنے باپ یعنی حضرت زبیر رضی اللہ سے عرض کیا کہ میں نے کبھی آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں سنیں۔ جیسا کہ فلاں، فلاں بیان کرتے ہیں، کہا میں کبھی آپ سے الگ تھلگ نہیں رہا لیکن میں نے آپ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ البخاری

ان ثبوتوں کی روشنی میں مصنف گولڈ زیھر کا دعوی بلکل غلط ہے

پھر وہ یہ اعتراف بھی کرتا ہے "مصدقہ ثبوتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ کہنے سے قاصر ہے کہ کون سی احادیث سب سے پرانی ہیں اور کون سی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے فورا بعد کے زمانے کی" صفحہ ۱۹

ان حالات میں اصحابہ پر اسکا الزام مضحکہ خیز ہی نہیں شر انگیز ہے.

اپنی کتاب کے شروع ہی میں مصنف نے اپنے اس مفروضے کا اظہار کر دیا ہے جس کو وہ اپنی دلیلوں، حوالا جات کے ثبوتوں کے بعد اصول یا کلیہ کا روپ دینا چاہتا ہے. اس کا کہنا ہے

"احادیث کے بڑے ذخیرے کا قریب سے واقف ہونے کے بعد جو بات آدمی پر طاری ہوتی ہے وہ شک پر مبنی احتیاط ہے نہ کہ پر امیدی والا اعتماد. یہ وہ مواد ہے جس کو بڑی احتیاط سے جمع کیا گیا ہے. ہم ڈوزی کی طرح ایک بڑے حصّہ پر اعتماد کی بجائے شائد اس پر غور کریں کہ یہ سب پہلی دو صدیوں کے اسلام کے ارتقا کے مذہبی، تاریخی اور معاشرتی وجوہات کا نتیجہ ہیں"

اسکا مزید کہنا ہے:

"احادیث ایک ایسی دستاویز ہونے کا مقصد پورا نہیں کر سکتیں جو اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ ہو. بلکہ احدیث ان رجحانات کی ایک جھلک پیش کرتی ہیں جب اسلام پروان چڑھ رہا تھا. ان میں اسلام کے ارتقا کی بابت بیش قیمت ثبوت ہیں. اس وقت جب اسلام طاقت ور باہمی مخالف قوتوں میں ایک منظم اکائی بن رہا تھا احادیث اسلام کو سمجھنے کے لئے اتنا اہم بنا دیتی ہیں. ان ارتقا کے ادوار میں تخلیق احادیث کے یکے دیگرے بعد مختلف مراحل آتے ہیں."

مختصر الفاظ میں یہ گولڈ زیھر کا استغاثہ ہے جس کو اپنے ذہن میں رکھ کر اس نے اسلام پر ریسرچ کی ہے.

مصنف کا ماننا ہے کہ مسلمانوں کی اولین نسل کی طرف سے جمع کردہ احادیث مبارکہ کئی صحیفوں پر مشتمل کا پورا ایک سلسلہ دستیاب ہے. مگر ساتھ ہی اسکا یہ بھی کہنا ہے کہ ہمارے پاس کوئی طریقہ نہیں کہ ہم معلوم کر سکیں آیا یہ نسخے پہلے سے موجود تھے یا انکو بعد

میں آنے والی نسلوں نے اختر ع کیا ہے. اسکا ماننا ہے احادیث اسلام کے زمانہ آغاز کی تاریخ کو معلوم کرنے کی کسوٹی نہیں. میں کہتا ہوں بلکل اسی طرح کسی زمانے کی شاعری اور ادب اس زمانے کی تاریخ کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتے. مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں ابو فراج اصفہانی کی بیس جلدوں پر مشتمل کتاب الاگانی سے متعدد حوالے درج کئے ہیں. اگانی کا معنی ہے "گانوں کی کتاب" پھر اسکا رائیٹر شرابی اور بد کردار بیان کیا گیا ہے یہی نہیں وہ معتزیلا فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اور شیعہ مسلک کے قریب تھا. اب کیا کریں؟ اصحابہ کرام کی احادیث پر بیان کی گئی روایتوں پر تو سخت چھان پھٹک کے بعد بھی شک کریں اور مشکوک کردار اور مخصوص نظریات رکھنے والے ابو فراج اصفہانی کی آگانی کو حوالوں کی کتاب بنالیں؟ اسی طرح گولڈ زیھر نے المسودی سے حوالے دیے ہیں اور وہ بھی معتزیلا کے گروہ میں سے ہے اور شیعہ بھی ہے. مستشرقین کو یہ سہولت خوب میسر ائی ہے کہ وہ مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ حالت میں پیش کرنے کے لئے حسب ضرورت شیعہ مصنفین کی تحریروں سے سنی اکابرین کے خلاف اور سنی مصنفین کی تحریروں سے شیعہ اکابرین کے خلاف حوالے لکھتے ہیں.

مصنف گولڈ زیھر نے احادیث کے اولین صحیفوں میں جن کتب کا ذکر کیا ہے انمیں حضرت اسمابنت امیہ جو حضرت جفر بن ابی طالب کی زوجہ محترمہ (وفات ۳۸ ھ) تھیں. انکا ذکر شیعہ تاریخ لکھنے والے اس لئے کرتے ہیں کہ وہ حضرت فاطمہ رض کی مصاحبت میں رہتی تھیں. شق القمر کی حدیث ان سے منسوب ہے. اسی طرح احدیث کا ایک پرانا صحیفہ سعد بن عبادہ کا ہے جن کی وفات ہارواں میں ۱۵ ہجری کو ہوئی. پھر عبداللہ بن امر کا صحیفہ ہے جو ٦۵ ہجری میں فوت ہوے. پھر جابر بن عبداللہ کا نسخہ ہے جو ۷۸ ہجری میں انتقال کر گئے. پیج ۲۲/۲۳.

احادیث کے یہ سب نسخے نبی کریم صلم کے اصحاب کے وقت کے ہیں. آج کل لبرل نوجوان اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث تو تین سو سال بعد لکھی گئی تھیں تو اس طرح سے تو انکی یہ بات غلط ہے.

اسکے بعد گولڈزیھر بدعت کے ضمن میں احادیث کا حوالہ دیتا ہے اور مسلم معاشرے میں احادیث کی اہمیت کا ذکر کرتا ہے. وہ اسکو ایک مثال سے واضح کرتا ہے. ایک حدیث کے مطابق مدینہ بدعات کرنے والے کو پناہ نہیں دیتا. اسی کو اصول مان کر حضرت عمر اور پھر حضرت علی نے بھی حکم کے ذریعہ تمام شہروں پر یہ قانون لاگو کیا کہ وہاں کسی بدعتی کو پناہ نہیں دی جائے گی.

وہ لکھتا ہے "حضرت عمر نے ہر فتح کے بعد اس شہر کے ساتھ جو معاہدے کئے ان میں یہ شق شامل ہوتی تھی کہ اس شہر کے شہری کسی بدعت کرنے والے کو پناہ نہیں دیں گئے."

بدعت کی قباحت میں مصنف نے کئی احادیث کے حوالے دیے ہیں

بدعت پر چند احادیث:

صحیح بخاری --- کتاب: مدینہ کے فضائل کا بیان --- باب: مدینہ کے حرم کا بیان۔ [صحیح بخاری]

حدیث نمبر: 1870 --- ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا، ان سے سفیان ثوری نے، ان سے اعمش نے، ان سے ان کے والد یزید بن شریک نے اور ان سے علیؓ نے بیان کیا کہ میرے پاس کتاب اللہ اور نبی کریم ﷺ کے اس صحیفہ کے سوا جو نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے ہے اور کوئی چیز (شرعی احکام سے متعلق) لکھی ہوئی صورت میں نہیں ہے۔ اس صحیفہ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مدینہ عائر پہاڑی سے لے کر فلاں مقام تک حرم ہے، جس نے اس حد میں کوئی بدعت نکالی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ اور تمام ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی

فرض عبادت مقبول ہے نہ نفل اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں میں سے کسی کا بھی عہد کافی ہے اس لیے اگر کسی مسلمان کی (دی ہوئی امان میں دوسرے مسلمان نے) بدعہدی کی تو اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے۔ نہ اس کی کوئی فرض عبادت مقبول ہے نہ نفل، اور جو کوئی اپنے مالک کو چھوڑ کر اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو مالک بنائے، اس پر اللہ اور تمام ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت مقبول ہے نہ نفل۔[ترمذی]

حدیث نمبر: 2127 --- حکم البانی: صحیح ،الإرواء()، نقد الکتاني()، صحیح أبي داود (و)

... یزید بن شریک تیمی کہتے ہیں کہ علیؓ نے ہمارے درمیان خطبہ دیا اور کہا: جو کہتا ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب اور اس صحیفہ - جس کے اندر اونٹوں کی عمر اور جراحات (زخموں) کے احکام ہیں - کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو وہ جھوٹ کہتا ہے علیؓ نے کہا: اس صحیفہ میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' عیر سے لے کر ثور تک مدینہ حرم ہے جو شخص اس کے اندر کوئی بدعت ایجاد کرے یا بدعت ایجاد کرنے والے کو پناہ دے، اس پر اللہ، اس کے فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نہ کوئی فرض عبادت قبول کرے گا اور نہ نفل اور جو شخص دوسرے کے باپ کی طرف اپنی نسبت کرے یا اپنے آزاد کرنے والے کے علاوہ کو اپنا مالک بنائے اس کے اوپر اللہ، اس کے فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اس کی نہ فرض عبادت قبول ہو گی اور نہ نفل، مسلمانوں کی طرف سے دی جانے والی پناہ ایک ہے ان کا معمولی شخص بھی اس پناہ کا مالک ہے'' ۔امام ترمذی کہتے ہیں:

۱- یہ حدیث حسن صحیح ہے، ۲- بعض لوگوں نے «عن الأعمش عن إبراهيم التيمي عن الحارث بن سويد عن علي» کی سند سے اسی جیسی حدیث روایت کی ہے، ۳- یہ حدیث کئی سندوں سے علی کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ سے آئی ہے۔...(ص/ح)

بقول مصنف، اس وقت کے مسلمان ہر معاملہ میں سنّت کو مثال بناتے تھے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے. پہلی صدی ہجری ختم ہونے تک سنّت کے اصول طے ہو چکے تھے. قرآن اور سنّت دونوں کو ضروری قرار دیا گیا، بہت سے مسلمانوں نے سنّت کے احیا میں حصہ لیا. کچھ لوگوں نے سنّت میں شدت اختیار کی اور سنت کے علاوہ وہ کوئی اور چیز استعمال کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے.

بقول مصنف پھر بدعت پر شدت سے بچنے کا ردعمل پیدا ہوا اور ایک ایسا گروہ وجود میں آیا جس نے بدعت کو دو حصوں میں بانٹا ایک بدعت جو ممنوع ہے اور ایک بدعت حسنہ یعنی اچھی بات کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں. بدعت حسنہ کی حمایت میں مصنف نے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اسلام میں اچھی بات قائم کرے گا اسکو تمام لوگ جو اس پر عمل کریں گئے انکا اجر بھی ملے گا اور اسکے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی. میرا خیال ہے اسکا مفہوم توڑ مڑوڑ کر پیش کیا گیا ہے. یہ اسلام میں نئی بات داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ کسی موجود سنّت کو زندہ کرنے کی بات ہے. بدعت حسنہ کا نظریہ غلط ہے.

حدیث نمبر: 42--- حکم البانی: صحیح... عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے، آپ نے ہمیں ایک موئثر نصیحت فرمائی، جس سے دل لرز گئے اور آنکھیں ڈبڈبا گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! آپ نے تو رخصت ہونے والے شخص جیسی نصیحت کی ہے، لہٰذا آپ ہمیں کچھ وصیت فرمادیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ” تم اللہ سے ڈرو، اور امیر (سربراہ) کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو، گرچہ تمہارا امیر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، عنقریب تم لوگ میرے بعد سخت اختلاف دیکھوگے، تو تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا، اس کو اپنے دانتوں سے مضبوطی سے تھامے رہنا، اور دین میں نئی باتوں (بدعتوں) سے اپنے آپ کو بچانا،

اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے'' ۔...(ص/ح)... حدیث متعلقہ ابواب: بدعت کا لغوی مطلب کوئی چیز ایجاد کرنا یا بنانا ہے ۔ شرعی اصطلاح میں بدعت کا مطلب دین میں حصول ثواب کے لئے کسی ایسی چیز کا اضافہ ہے جس کی بنیاد یا اصل سنت میں موجود نہ ہو۔ تمام بدعات سراسر گمراہی ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم خلاف سنت ہے"

گولڈ زیھر نے اموی دور خلافت اور عباسی دور خلافت کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے اور ان ادوار میں ہونے والی اسلامی فقہ میں پیش رفت کا بھی ذکر کیا ہے. اس میں شک نہیں یہ اسٹڈی متعصبانہ ہے اور اس میں اموی دور خلافت کو لبرل حکمرانی کا دور کہا گیا ہے جس میں حکمرانوں کو علماء حق کی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی. اسی اموی دور کے ایک جید عالم امام ابن شہاب الزہری پر شرمناک الزامات لگاے ہیں کہ وہ حدیث خود سے گھڑتے تھے، جو ایک لغو بات ہے. اسکے لئے مصنف گولدزھر نے جو حوالے پیش کئے ہیں وہ اختلافی کتابوں سے لئے گئے ہیں جو شیعہ اور معتزلی مصنفین نے لکھی ہیں جن کے بعض مصنفین خود اچھے کردار کے مالک نہیں ہیں.

اس باب کا مختصر خلاصہ کچھ اس طرح ہے.

پیج ۳۸ : پہلے پہل دور دراز علاقوں میں مسلمان سنّت کے مطابق اعمال انجام نہیں دیتے تھے. پھر فتح شدہ علاقوں میں کچھ اصحابہ گئے تاکہ اسلام کی تعلیمات کو عام کر سکیں. یہ پہلی صدی ہجری کے دور کا احوال تھا

بقول مصنف اموی حکمرانوں نے سنّت کو پھیلانے میں بہت کم کوششیں کی ہیں .حکمران اور انکے گورنر اسلامی ذہن کے مالک نہیں تھے.

پیج ۳۹ : عمر دوم کے دور میں مذہبی احیا ہوا اور انہوں نے مختلف صوبوں میں وفد روانہ کئے تاکہ لوگوں کو اسلامی سنّت کے طریقوں سے آگاہ کیا جا سکے.

ابتدائی سالوں میں تو بصرہ کے مسلمانوں کو یہ علم نہیں تھا کہ نماز کیسے پڑھنی ہے. شام میں پہلے پہل یہی علم نہیں تھا کہ نمازیں پانچ ہیں

پیج ٤٠ : حجاج اور عمر دوم کے دور میں لوگوں کو نماز کے اوقات کا علم نہیں تھا، کیونکہ حکمران دینی معاملات کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے، چناچہ علماء وقت نے یہ حدیث گھڑی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، میرے بعد ایسے لوگ حکمران ہونگے جو نماز کو ضایع کرینگے. مصنف نے جن کتابوں کے حوالے دئے ہیں وہ اہل تشیع یا قابل عتبار راویوں کی نہیں ہیں. اموی خلفاء اور پاکباز اہل تقویٰ پر ایسے الزامات یکطرفہ ہیں اور آدمی کو اصل بات تک تحقیق سے پہنچنا ضروری ہے. ہر پڑھی یا لکھی ہوئی بات قابل اعتبار کیونکر ہو سکتی ہے ؟

امام زہری کو کیوں ہدف تنقید بنایا گیا ہے ؟ کیوں کہ انکی اسلام کے لئے بہت خدمات ہیں

یہاں اسلام کے لئے امام ابن شہاب الزہری کی کچھ خدمات بیان کی جاتی ہیں :

امام ابن شہاب الزہری حدیث کے ایسے ستونوں میں سے ہیں جن کی احادیث دنیا کی ہر حدیث کی کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ کوئی ایسی حدیث کی کتاب بھی ہوگی جس میں ابن شہاب کی روایت نہ ہو۔

شیوخ واساتذہ: زہری نے کئی صحابہ کرام سے روایات لی ہیں جن میں : جابر بن عبد اللہ، سہل بن سعد، انس بن مالک، سائب بن یزید، محمود بن الربیع، محمود بن لبید، ابو الطفیل عامر، مالک بن اوس بن الحدثان، وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ اور کئی کبار تابعین مثلا سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابو ادریس الخولانی، سالم بن عبد اللہ، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، طاوس وغیرہ سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔

تلامذہ: میں عطاء بن ابی رباح (جو ان سے عمر میں بڑے تھے)، امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز، عمرو بن دینار، عمرو بن شعیب، قتادہ بن دعامہ، زید بن اسلم، منصور بن المعتمر، ایوب سختیانی، یحیی بن سعید الانصاری، ابو الزناد، صالح بن کیسان، عقیل بن خالد، ابن جریج، عبد

العزیز بن الماجشون، معمر بن راشد، ابو عمرو الاوزاعی، شعیب بن ابی حمزہ، مالک بن انس، لیث بن سعد، فلیح بن سلیمان، ابن ابی ذئب، محمد بن اسحاق بن یسار، ہشیم بن بشیر، سفیان بن عیینہ اور خلق کثیر شامل ہیں۔

فائدہ: عموماً امام سفیان بن عیینہ اور امام سفیان الثوری کے شیوخ تقریباً ایک ہی ہوتے ہیں کیونکہ دونوں ہم عصر تھے۔ لیکن اس مسئلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ امام زہری سے صرف امام سفیان بن عیینہ ہی روایت کرتے ہیں، امام سفیان الثوری کی زہری سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام سفیان الثوری کے پاس اتنے اخراجات نہیں تھے کہ وہ زہری کے پاس جا کر ان سے علم حاصل کرتے۔ چنانچہ امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی بیان کرتے ہیں کہ الثوری سے پوچھا گیا کہ آپ امام زہری سے روایت کیوں نہیں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: "لم تكن عندي دراهم ولكن قد كفانا معمر الزهري" یعنی کیونکہ میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے لیکن معمر ہمیں زہری کے متبادل کے طور پر کفایت کر گئے۔ (مقدمہ الجرح والتعدیل: 76/1، واسنادہ صحیح)۔

امام زہری رحمہ اللہ زبردست ثقہ امام، حافظ، اور فقیہ تھے۔ آپ کی جلالت اور اتقان پر امت کا اتفاق ہے۔ آپ کے فضائل، مناقب، اور سیرۃ کو ایک مختصر سے مضمون میں بیان کرنا ناممکن امر ہے، اس لیے ہم ذیل میں صرف ائمہ نقاد کے چند اقوال ہی پر اکتفاء کریں گے۔

1- امام ابن شہاب الزہری خود فرماتے ہیں: "ما استعدت حديثاً قط، ولا شككت في حديث إلا حديثاً، احداً، فسألت صاحبي، فإذا هو كما حفظت" (جب کوئی حدیث ایک بار مجھ پر پڑھی جاتی) میں نے کبھی اس حدیث کے دہرائے جانے کا سوال نہیں کیا، اور نہ ہی مجھے کبھی کسی حدیث کے بارے میں شک ہوا سوائے ایک حدیث کے، تو میں اس کے متعلق اپنے ساتھی سے پوچھا، تو وہ حدیث ویسے ہی نکلی جیسے میں نے اسے یاد کیا تھا۔ (العلل لعبد اللہ بن احمد: 160، وحلیۃ الاولیاء: 363/3، واسنادہ صحیح)۔

حکیم بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے کہا کہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے یہ یہ کہا ہے۔ تو زہری نے کہا: "أوهم ربيعة أنا كنت أحفظ لحديث سعيد بن المسيب من ربيعة" ربیعہ کو غلطی لگی ہے، میں سعید بن المسیب کی حدیث کا ربیعہ سے زیادہ حافظ ہوں (تاریخ دمشق لابن عساکر: 326/55، واسنادہ حسن)۔

امام ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب الزہری سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "ما بقي أحد فيما بين المشرق والمغرب أعلم بهذا مني" مشرق اور مغرب کے لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں بچا ہے جو اس حدیث کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو۔ (ایضا)

2- امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ (المتوفی 101) فرماتے ہیں: "عليكم بابن شهاب هذا فانكم لا تلقون أحدا أعلم بالسنة الماضية منه" تم پر ضروری ہے کہ تم اس ابن شہاب کو لازمی پکڑو کیونکہ ان سے زیادہ ماضی کی سنت کو جاننے والا تم نے نہیں پایا ہو گا۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: 72/8 واسنادہ صحیح)۔

3- امام عمرو بن دینار رحمہ اللہ (المتوفی 126) فرماتے ہیں: "مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَبْصَرَ بِحَدِيثٍ مِنَ الزُّهْرِيِّ" میں نے زہری سے زیادہ حدیث کی بصیرت رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ (طبقات الکبری لابن سعد: 174/1، اسنادہ صحیح)۔

4- امام سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف رحمہ اللہ (المتوفی 125-127) فرماتے ہیں: "ما أرى أحدا بعد رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وسَلم جَمَعَ ما جَمَعَ ابْن شِهاب" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس نے ابن شہاب جیسا کچھ جمع کیا۔ (التاریخ الکبیر للبخاری: 220/1، اسنادہ صحیح)۔

5- امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ (المتوفی 131) فرماتے ہیں: "ما رأيت أحداً أعلم من الزهري، فقال له صخر بن جويرية: ولا الحسن: قال: ما رأيت أحداً أعلم من الزهري" میں نے

کسی کو زہری سے زیادہ اعلم نہیں دیکھا، تو صخر بن جویریہ نے ان سے کہا: حسن البصری بھی نہیں؟ انہوں نے اپنا قول دہراتے ہوئے فرمایا: میں نے کسی کو زہری سے زیادہ اعلم نہیں دیکھا۔(العلل لعبداللہ بن احمد: 313/3، اسنادہ صحیح)۔

6-امام دار الہجرہ مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (المتوفی 179) فرماتے ہیں: "أول من أسند الحديث ابن شهاب الزهري" سب سے پہلے جس نے حدیث کی سند (پر دھیان) دیا وہ ابن شہاب الزہری تھے۔(مقدمہ الجرح والتعدیل: 20/1، اسنادہ صحیح)۔

7- امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ (المتوفی 198) فرماتے ہیں: "مَا أَحَدٌ أَعْلَمُ بِالسُّنَّةِ منه" سنت کو زہری سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ (الکامل لابن عدی: 139/1، اسنادہ حسن)۔

8- قاسم بن ابی سفیان المعمری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا: "أيما أفقه أو أعلم إبراهيم النخعي أو الزهري قال الزهري" ابراہیم النخعی اور زہری میں سے کون زیادہ بڑا فقیہ اور عالم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: "زہری زیادہ بڑے ہیں"۔(تاریخ دمشق لابن عساکر: 355/55، اسنادہ حسن)۔

9- امام محمد بن سعد کاتب الواقدی رحمہ اللہ (المتوفی 230) فرماتے ہیں: "كَانَ الزُّهْرِيُّ ثِقَةً كَثِيرَ الْحَدِيثِ وَالْعِلْمِ وَالرِّوَايَةِ فَقِيهًا جَامِعًا" (طبقات الکبری لابن سعد: 185/1)۔

10-امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ (المتوفی 241) فرماتے ہیں: "الزُّهْرِيّ أَحْسَنُ النَّاس حَدِيثًا وَأَجْوَدُ النَّاس إِسْنَادًا" زہری لوگوں میں سب سے زیادہ اچھی حدیث والے، اور اسناد میں سب سے زیادہ اجود تھے۔ (الکامل لابن عدی: 139/1، اسنادہ حسن)۔

11- امام ابو الحسن العجلی رحمہ اللہ (المتوفی 261) فرماتے ہیں: "تَابِعِيّ ثِقَة" (کتاب الثقات للعجلی: 253/2)۔

12- امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 264) سے پوچھا گیا: "أي الإسناد أصح؟ قال الزهري عن سالم عَنْ أبيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله عليه وسلم صحيح" کون سی اسناد سب سے زیادہ صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا، زہری عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ سب سے زیادہ صحیح ہے۔۔۔۔(اور پھر دو مزید اسانید بیان کیں)۔ (الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم: 26/2)۔

13- امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 275) فرماتے ہیں: "الزهري احب إلى من الاعمش، يحتج بحديثه، واثبت اصحاب انس الزهري" زہری مجھے اعمش سے بھی زیادہ پسند ہیں، ان کی حدیث سے حجت پکڑی جاتی ہے، اور انس رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے زہری سب سے زیادہ ثبت (ثقہ) ہیں۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: 74/8)۔

14- امام ابو عبد الرحمن النسائی رحمہ اللہ (المتوفی 303) فرماتے ہیں: "أحسن أسانيد تروى عن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) أربعة منها الزهري عن علي بن الحسين عن حسين بن علي عن علي بن أبي طالب عن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) والزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس عن عمر عن النبي (صلى الله عليه وسلم)" سب سے بہترین اسانید جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کی جاتی ہیں چار ہیں جن میں: زہری عن علی بن الحسین عن حسین بن علی عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ ﷺ، اور زہری عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابن عباس عن عمر عن النبی ﷺ شامل ہیں۔ (آپ نے مزید دو اسانید بھی بیان کیں)۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: 339/55، اسنادہ حسن)۔

15-امام ابن حبان البستی رحمہ اللہ (المتوفی 354) فرماتے ہیں: "رأى عشرَة من أصْحَاب رَسُول اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ من أحفظ أهل زَمَانه وَأحْسَنهمْ سياقا لمتون الْأَخْبَار وَكَانَ فَقِيها فَاضلا"(الثقات لابن حبان:349/5)۔

16-امام شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی 748) نے سیر اعلام النبلاء میں 24 صفحات پر مشتمل امام زہری کی تفصیلی سیرۃ لکھی، اور فرمایا: "الإِمَامُ، العَلَمُ، حَافِظُ زَمَانِه" (326/5)۔

17-حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی 852) فرماتے ہیں: "الفقيه الحافظ متفق على جلالته وإتقانه وثبته" آپ فقیہ اور حافظ تھے، اور آپ کی جلالت، اتقان وثبت پر امت کا اتفاق ہے۔(التقریب التہذیب:6296)۔

امام زہری پر تشیع کا الزام

بعض جاہل منکرین حدیث نے امام زہری پر صرف اس لئے تشیع کا الزام لگایا کیونکہ ان کا ترجمہ محض کسی شیعہ کتب رجال میں موجود ہے۔ حالانکہ کسی شخص کا شیعہ کی کتب رجال میں ذکر ہونا اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ وہ شخص شیعہ ہے۔ یہ الزام بالکل بے بنیاد اور جھوٹا ہے جبکہ اس کے برعکس امت میں سے کسی عالمِ دین و محدث نے کبھی ایسا نہیں کہا ہے۔ اس الزام کے تفصیلی و تسلی بخش رد کے لئے دیکھیں شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا مضمون۔ (ماہنامہ اشاعۃ الحدیث، اگست 2004 صفحہ 43،44،45)۔

امام زہری اور تدلیس کا الزام

متقدمین میں سے کسی بھی معتبر محدث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے امام زہری کو مدلس قرار دیا ہو۔ صرف چند متاخرین محدثین نے یہ بات بلا کسی معتبر حوالہ یا سند کے کی ہے جبکہ اس کے برعکس تمام ائمہ و محدثین نے ان کی معنعن روایات کو قبول کیا ہے۔

چنانچہ اسی لئے حافظ صلاح الدین العلائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقد قبل الأئمة قوله عن" ائمہ نے ان کے عن والے قول کو قبول کیا ہے (جامع التحصیل: 109/1)۔ زہری کی تدلیس کے ثبوت کے لئے جو دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں ان کا ذکر درج ذیل ہے۔

پہلا حوالہ:

حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں فرماتے ہیں کہ امام شافعی اور امام دار قطنی نے زہری کی طرف تدلیس کو منسوب کیا ہے۔ جبکہ یہ اقوال غیر ثابت ہونے کی وجہ سے غیر قابل قبول ہیں۔ دار قطنی کی کتب سے جو حوالے ملتے ہیں وہ ویسے ہی ہیں جیسے امام ترمذی کے بیان کردہ قول کے ہیں، جو کہ نیچے بیان کیا جائے گا، لیکن ان میں سے کوئی بھی تدلیس پر دلالت نہیں کرتا۔

دوسرا حوالہ:

امام ابو حاتم الرازی ایک حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الزهري لم يسمع من عروة هذا الحديث، فلعله دلسه "زہری نے یہ حدیث عروہ سے نہیں سنی، شاید زہری نے تدلیس کی ہے۔ (علل الحدیث لابن ابی حاتم 407/3 رقم 968)۔

شاید تدلیس کی ہے سے تدلیس ثابت نہیں ہوتی۔ امام زہری جیسے بڑے اور جلیل القدر امام کی اتنی تو حیثیت و مقام ہے کہ ان پر اتنا بڑا الزام صرف ایک شاید کی بناء پر نہ لگایا جائے۔ جو لوگ تحقیق کی باتیں کرتے ہیں ان کو تو کم از کم یہ حرکت نہیں کرنی چاہیے۔

سب سے بڑھ کر بات جس روایت کی امام ابو حاتم بات کر رہے ہیں کیا اس میں امام زہری نے واقعی میں تدلیس کی بھی ہے یا ایسے ہی بنا کسی قصور کے محض امام ابو حاتم کے شک کی بنیاد پر زبردستی انہیں تدلیس کا تمغہ پہنایا جا رہا ہے!؟

جس روایت میں امام ابو حاتم نے امام زہری کی تدلیس کے شک کا اظہار کیا ہے وہ حدیث مکمل سیاق و سباق کے ساتھ اس طرح ہے:

حَدَّثَنَا عَفَّانُ ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ , وَنُعْمَانُ ، عَنْ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ : " مَا لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْلِمًا مِنْ لَعْنَةٍ تُذْكَرُ ، وَلَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ شَيْئًا يُؤْتَى إِلَيْهِ ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ، وَلَا ضَرَبَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا أَنْ يَضْرِبَ بِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَلَا سُئِلَ شَيْئًا قَطُّ فَمَنَعَهُ إِلَّا أَنْ يُسْأَلَ مَأْثَمًا ، فَإِنَّهُ كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ ، وَلَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا ، ---- "

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی خادم یا کسی بیوی کو کبھی نہیں مارا، اور اپنے ہاتھ سے کسی پر ضرب نہیں لگائی الا یہ کہ راہ خدا میں جہاد کر رہے ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی بھی گستاخی ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی سے کبھی انتقام نہیں لیتے تھے البتہ اگر محارم خداوندی کو پامال کیا جاتا تو اللہ کے لئے انتقام لیا کرتے تھے، اور جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو چیزیں پیش کی جاتیں، اور ان میں سے ایک چیز زیادہ آسان ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسان چیز کو اختیار فرماتے تھے، الا یہ کہ وہ گناہ ہو، کیونکہ اگر وہ گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں لوگوں کی نسبت اس سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے تھے۔ (ترجمہ ایزی قرآن وحدیث)

مسند الامام احمد بن حنبل (24985)

ایک دوسری جگہ یہی روایت اس سند سے مروی ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ خَادِمًا لَهُ قَطُّ، وَلَا امْرَأَةً، وَلَا ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللهِ " " وَلَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ، إِلَّا

كَانَ أَحَبَّهُمَا إِلَيْهِ أَيْسَرُهُمَا، حَتَّى يَكُونَ إِثْمًا، فَإِذَا كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ الْإِثْمِ، وَلَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ مِنْ شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ، حَتَّى تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَكُونَ هُوَ يَنْتَقِمُ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ "

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی خادم یا کسی بیوی کو کبھی نہیں مارا، اور اپنے ہاتھ سے کسی پر ضرب نہیں لگائی الا یہ کہ راہ خدا میں جہاد کر رہے ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی سے کبھی انتقام نہیں لیتے تھے البتہ اگر محارم خداوندی کو پامال کیا جاتا تو اللہ کے لئے انتقام لیا کرتے تھے۔ اور جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو چیزیں پیش کی جاتیں، اور ان میں سے ایک چیز زیادہ آسان ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسان چیز کو اختیار فرماتے تھے، الا یہ کہ وہ گناہ ہو، کیونکہ وہ گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی نسبت اس سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے تھے۔

مسند الامام احمد بن حنبل (25956)

نیز دیکھیں، موطا امام مالک (1605)، سنن الکبری للنسائی (9163)، مصنف عبد الرزاق (17942)، مسند اسحاق بن راہویہ (812)، مسند عبد بن حمید (1481)، سنن ابوداود (4786)، وغیرہ

یہی وہ روایت ہے جس کے متعلق امام ابو حاتم نے یہ شک ظاہر کیا ہے کہ شاید زہری نے اس میں عروہ سے تدلیس کی ہے۔ جبکہ ان کا یہ شک صحیح نہیں ہے کیونکہ امام زہری نے اس روایت میں سماع کی صراحت کر دی ہے، چنانچہ، یہی روایت اختلاف یسیر کے ساتھ اسی مخرج سے صحیح بخاری میں بھی مروی ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ ـ رضى الله عنها ـ أَنَّهَا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ

صلى الله عليه وسلم بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلاَّ أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لِنَفْسِهِ فِي شَىْءٍ قَطُّ، إِلاَّ أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللَّهِ، فَيَنْتَقِمَ بِهَا لِلَّهِ.

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو امر کے درمیان جب بھی اختیار دیا تو ان میں جو آسان صورت تھی اس کو اختیار کیا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوا گر وہ گناہ ہوتا تو لوگوں میں سب سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے (یعنی سب سے زیادہ اس سے پرہیز کرتے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کی خاطر کبھی انتقام نہیں لیا مگر جو شخص حرمت الہیہ کی پردہ دری کرتا یعنی احکام الٰہی کے خلاف کرتا تو اللہ کی خاطر اس سے انتقام لیتے۔

صحیح بخاری (6126، 3560، وغیرہ)

اور صحیح بخاری کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ اس میں روایات سماع پر محمول ہوتی ہیں۔ اگر ابھی بھی یقین نہیں ہوتا تو یہ لیں صراحت کے ساتھ سماع بھی دکھا دیتے ہیں: صحیح بخاری ہی میں یہ روایت ایک دوسری جگہ اختصار کے ساتھ مروی ہے اور اس میں امام زہری نے سماع کی صراحت بیان کر دی ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ ـ رضى الله عنها ـ قَالَتْ مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لِنَفْسِهِ فِي شَىْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ حَتَّى تُنْتَهَكَ مِنْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَيَنْتَقِمَ لِلَّهِ.

(صحيح البخارى: 6853)

مسند احمد میں بھی یہ روایت قدرے تفصیل سے مروی ہے اور اس میں بھی امام زہری کی تحدیث موجود ہے:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْعَبَّاسِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُوَيْسٍ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، حَدَّثَهُ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ، قَالَتْ: " مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا، حَتَّى يَكُونَ إِثْمًا، فَإِذَا كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ مِنْ شَيْءٍ انْتُهِكَ مِنْهُ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةٌ هِيَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَنْتَقِمُ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا "
(مسند الامام احمد 24830)

کیا اس واضح تصریحِ سماع کے بعد بھی امام ابو حاتم الرازی کے شک کے غلط ہونے میں کوئی شک باقی رہتا ہے؟ بلکہ جس بنیاد پر امام ابو حاتم نے امام زہری کی تدلیس کا شک ظاہر کیا تھا وہ بنیاد ہی کھوکھلی اور غلط معلوم ہوتی ہے۔ امام ابو حاتم کے مطابق اس روایت میں زہری کی ہشام سے تدلیس کا احتمال ہے جبکہ اگر اس روایت کی تمام اسانید کو اکٹھا کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی نے بھی اس روایت میں تدلیس کی ہے تو وہ زہری نے نہیں بلکہ الٹا ہشام نے زہری سے کی ہے۔

امام زہری کے بارے میں حوالہ: بشکریہ

http://forum.mohaddis.com/threads/
HYPERLINK
"http://forum.mohaddis.com/threads-امام-ابن-شہاب/
الزہری-رحمہ-اللہ.22017"امام-ابن-شہاب-الزہری-رحمہ-اللہ.22017

محمدن اسٹڈیز کے مصنف گولڈزیھر اپنی کتاب کی جلد دوم باب دوم کے پیج ٤٠ پر کہتے ہیں ، جب اسلام دور دراز کے علاقوں تک پھیل گیا مگر وہاں کے لوگ دینی احکامات کو کس طرح بجالانا ہے اس سے ابھی واقف نہیں تھے تو ان حالات میں مدینہ ہی رہنمائی کا مرکز تھا، مدینہ میں بیٹھے علماء محدثین اور فقہاہی امّت کے لئے مشغل راہ تھے . مصنف بنوامیہ کی حکمرانی پر سخت تنقید کرتے ہوے کہتا ہے بنوامیہ کے وفاداروں کو اسلام کے بانی کی خدائی حکمرانی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی، حضرت امیر معاویہ نے خود کو اسلام میں پہلا بادشاہ کہا تو حضرت سعید بن مصیب نے یہ تلخ جملے کہے "یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دین پر حکومت کو ترجیح دی". یوسف بن حجاج نے حضرت مالک بن انس کو گندم کی چکی میں پیس دینے یا تیروں کا نشانہ بنانے کی دھمکی دی. یزید بن عبدالمالک حضرت حسن بصری کو شیخ جاہل کہتا تھا. ان الزامات کو لیکر مصنف کے حوالے زیادہ تر شیعہ ، معتزلہ ،ایرانی مصنفین کی کتابوں سے لئے گئے ہیں جن کے مصنفین المسودی،الیعقوبی،ابوفراج السفھانی جیسے لوگ ہیں.

بنوامیہ کے حکمرانوں کی اسلام کے لئے خدمات کے بارے میں اسلامی تاریخ کیا کہتی ہے؟

بنوہاشم کی طرح بنوامیہ بھی قریش کا ایک ممتاز اور دولت مند قبیلہ تھا،اسی خاندان نے خلافت راشدہ کے بعد تقریباً ایک صدی تک خلافت سنبھالی اور اسلامی فتوحات کو بام عروج پر پہنچایا۔ جس کی سرحدیں ایک طرف چین اور دوسری طرف اسپین تک پھیلی ہوئی تھیں۔ البتہ مرکزی خلافت کے خاتمے کے باوجود اس خاندان کا ایک شہزادہ عبدالرحمن الداخل اسپین میں حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ جہاں 1492ء تک اموی سلطنت قائم رہی معاویہ بن ابو سفیان (661-680) 2.2 یزید بن معاویہ (680-683) 2.3 عبدالملک بن مروان(685-705) 2.4ولید بن عبدالملک(705-715)

2.5 سلیمان بن عبدالملک (717-715) 2.6 عمر بن عبدالعزیز (717-720) 2.7 یزید بن عبدالملک (720-724) 2.8 ہشام بن عبدالملک (724-743) 2.9 مروان ثانی(744-750)

بنو امیہ کی یہ خوبی انتہائی قابل تحسین ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کی فتوحات کو وسعت دے کر مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔ مشرق میں چین اور مغرب میں بحر ظلمات تک انہوں نے اپنے زمانے کی متمدن دنیا کو فتح کر کے فخر حاصل کیا۔ براعظم افریقہ کے ریگستانوں اور ہندوستان کے میدانوں تک اسلام بنو امیہ کی خلافت میں ہی پھیلا۔ اس خلافت کے بعد مسلمانوں کو جدید فتوحات کا بہت کم موقع ملا اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ بنو امیہ کے بعد اسلامی حکومت ایک مرکز پر قائم نہیں رہی بلکہ الگ الگ متوازی حکومتیں قائم ہونے لگیں۔

تاریخ نگاروں نے بنو امیہ کے ساتھ انصاف نھیں کیا اور سیاسی مخالفین نے بھی انھیں بدنام کرنے میں کسر نہ چھوڑی۔ انکے فرمانرواؤں کے ذاتی حالات اور خانگی زندگی کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کا اصل چہرہ لوگوں کی نظروں سے مٹ گیا۔

تاریخ نگاروں نے بنو امیہ کی غلطیوں کو خوب اچھالا لیکن اس دور کی اچھائیوں کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام لیا.

اموی دور کی فتوحات نے ان علاقوں کی تعداد میں بہت اضافہ کر دیا جہاں اسلام کی تبلیغ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ مفتوحہ قوموں کے بے شمار افراد نے قرآن پاک لکھنا شروع کیا لیکن ان کے لیے اعراب کے بغیر کتاب کو پڑھنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے عبدالملک بن مروان نے اپنے دور حکومت میں قرآن پاک پر اعراب لگوائے اور ایک جیسے حرف کو ایک دوسرے سے ممیز کرنے کے لیے نقطے لگائے گئے۔ عبدالملک خود قرآن پاک سے گہرا شغف رکھتا تھا اور عمر بن عبدالعزیز کے دینی ذوق کے بارے میں دو آرا ہو ہی نہیں سکتیں۔ ان دونوں خلفاء کے زمانوں میں قرآن پاک کے حفظ کے بارے میں تفسیر لکھنے کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ اموی

دور کے مشہور مفسرین قرآن میں عکرمہ، قتادہ بن دعامہ سروسی، مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر اور حسن بصری معروف ہیں اور بعد کے مفسرین انہی کی آراء کے حوالے دیتے ہیں۔ حضرت علی کے ایک رفیق اور حمزہ اور امام باقر نے بھی تفاسیر لکھی تھیں۔

حدیث کی تدوین کے نقطہ نظر سے بھی اموی دور بنیادی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس دور میں بعض صحابہ تابعین کی کثیر تعداد اور تبع تابعین موجود تھے۔ اس لیے فطری طور پر یہ روایات جمع کرنے اور ان کو مرتب کرنے کا دور تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس شعبہ کی طرف توجہ فرمائی اور احادیث کے مجموعے مرتب کروائے اور ان کی نقول دور دراز کے علمی مراکز کو بھجوائیں۔ خالد بن معدان، عطا بن ابی رباح اور عبدالرحمن (جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے تھے) کے صحیفے اس سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ثمرہ بن جندب اور وہب بن منبہ کی بیاضیں ان کے علاوہ تھیں۔ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری سے چار سو احادیث کا مجموعہ مرتب کروایا۔

فقہ کی ترقی کے اعتبار سے بھی یہ دور انتہائی اہم ہے۔ احکام دین کی تشریح کے لیے اس زمانے میں صحابہ زادے موجود تھے جو بیک وقت محدث بھی تھے اور فقیہ بھی۔ انہیں صرف ایک واسطے سے بارگاہ رسالت سے فیض ہونے کا موقع ملا تھا۔ اس لیے ان کی آراء بہت دقیع ہیں۔ ان فقہا میں عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود، عروہ بن عوام، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، ابو بکر بن عبدالرحمن اور خارج بن زید کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام جعفر صادق، عبدالرحمن بن ابی سلمی اور قاضی شریح بھی اس دور کے نامور فقہا ہیں۔

عہد اموی نے اسلامی حکومت کو عربی رنگ دیا انکا سیاسی مرکز دمشق رہا مگر علمی تربیتی مرکز مدینہ ھی تھا۔ عربی فتوحات نے ملکوں کے اس طبقے کا بلکل خاتمہ کر دیا جو انسانیت پر ظلم

کرتا تھا۔ عربی فتوحات جس علاقے میں ھوئیں وھاں کے لوگوں کی ترقی و اجتماعی حالت کو بدلتے چلے گئے اور آزادی کے نئے دور کا آغاز ھوا

ا۔اصلاحات

اس دور میں ملک کے غیر منظم معاملات کو پھر سے منظم کیا گیا ملک کو مختلف انتظامی یونٹس میں تقسیم کیا گیا ھر یونٹ کو خود کفیل بنایا گیا اور اس یونٹ کی سالانہ آمدنی اسی یونٹ پر خرچ کرنے کی ھدایات جاری کی گئیں ھر یونٹ کی زکٰوۃ بھی مقامی بیت المال میں جمع ھوتی اور مقامی لوگوں پر خرچ کی جاتی۔

اس کے علاوہ مساجد کی تعمیرِ اور غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ وغیرہ اہم امور کو بخوبی سرانجام دیا جاتا تھا

۲۔زراعت اور اس کے مسائل

اموی دور میں زراعت پر خصوصی توجہ دی گئی زراعت کی ترقی کے لئے نہریں کھدوائ گئی جن سے لاکھوں ایکڑ رقبہ کاشت کے قابل ہوا ان نہروں میں

نہر کنظامہ، نہر ارزق، نہر شھدا، وغیرہ مشھور ھیں

پہاڑوں کی گھاٹیوں کے گرد بندھ بنوا کر چھوٹے چھوٹے ڈیم بنائے گئے جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا تہا جس کو زاعت کے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔اس سے ھونے والی ترقی کی مثال یہ ہے کہ صرف مدینہ شھر سے ڈیڑھ لاکھ وسق کھجور اور ایک لاکھ وسق گندم کی پیداوار لی جاتی تھی۔

۳۔نئے شھروں کی تعمیر آبادی کے اضافہ کے سبب نئ آبادیاں قائم کرنا پڑیں اور ملک کے مختلف حصوں میں نئے شہر آباد کرنے پڑے جن میں قابل ذکر نام انظاکیہ کی نوآبادی روڈوس اور اس کے ساتھ کے جزیروں کی آبادکاری عرعش شہر کی نوآبادی افریقہ میں قیروان شھر کی آبادکاری وغیرہ جیسے بڑے نام شامل ہیں ۔ ۴۔ نقل و حمل کا انتظام ڈاک کا

باقاعدہ ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام البرید تھا۔اور ہر ۱۲ میل فاصلے پر اس کے دفاتر قائم کیے گے

۵- عسکری نظام حضرت عمرؓ کے زمانے ھی سے منظم تھا مگر اموی دور نے فوج کو دور بڑے حصوں میں تقسیم کیا

بری فوج بحری فوج اسکے ساتھ موسموں کے لحاظ سے فوج کے دو حصے کیے گے

سرمائی فوج صائف بحری افواج کو منظم کیا گیا اور بیڑے میں ۱۲۰۰ جہاز شامل کیے گئے

اور بحریہ کی سربراہی کے لیے کمانڈر انچیف کا الگ عہدہ بنایا گیا جیسے امیر البحر کہا جاتا تھا

۶- جہاز سازی کے کارخانے اسلامی بحریہ کی ترقّی کے لیے متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے گے پہلا کارخانہ ۵۴ ھجری میں مصر میں قائم ھوا اور اس کے بعد اردن میں عکاء کے مقام پر بھی بڑا کارخانہ قائم کیا گیا۔

۷- قلعوں کی تعمیرِ اسلامی سسر حدوں کی حفاظت کیلئے دفاعی نوعیت کے علاقوں میں مضبوط قلعے قائم کیے گے

۸- نظم مملکتِ

باھم خانہ جنگی کی وجہ سے درھم برھم نظام مملکت کو ایک بار پھر سے نئ بنیادوں پر استوار کیا گیا

(۱) مشاورتی کونسلیں یا پارلیمنٹ

ملکی نظم و نسق بہتر چلانے کیلیے مشاورتی کونسلیں بنائی گئیں اور ھر صوبے میں اس کا قیام عمل میں لایا گیا اور حکومت کو مشاورتی بنیادوں پر چلانے کی ہر ممکن کوشش کی گی

انکے علاوہ صیغہ پولیس ڈیفنس رولز صیغہ عدالت ٹکسال وغیرہ

الغرض دور بنوامیہ کے کسی ایک فرد کی غلطی کو سامنے رکھ کر پورے دور کو برا کہنا ناانصافی کے سوا کیا ہے

https://ur.wikipedia.org/wiki/اموی_معاشرہ

بشکریہ احمد میاں https://medium.com/@ahmed.uv013/بنو-امیہ-کا-روشن-کردار-تاریخ-کے-آئینہ-میں-امام-

اپنی کتاب کے حصہ دوم باب دوم پیج ۴۳، مصنف کا کہنا ہے پاکیزہ لوگ جو بنو امیہ کے خلاف تھے وہ اپنی تعریفیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے پر نچھاور کرتے تھے گو وہ سیدھا بنو امیہ کو برا نہیں کہتے تھے مگر اس تعریف سے انکا منفی پہلو ظاہر ہوتا تھا

بقول مصنف یہ وہ حالات تھے جن میں علم حدیث خاموشی سے پروان چڑھا.

عمر دوم کے دور میں سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک کو تقویت ملی. بقول مصنف حکمران بھی بے خبر نہیں تھے، انہوں نے بھی ایسی احادیث معلوم کیں جن سے انکو تقویت ملتی.

صفہ ٤٤ . امیر معاویہ رض نے حضرت عثمان رض کی حمایت اور حضرت علی رض کی مخالفت کرنے کے احکام جاری کئے. اسکے بعد مصنف ایسی احادیث کا حوالہ دیتا ہے جو بقول اسکے بنو امیہ کے کہنے پر پھیلائی گئیں. جن میں سے ایک میں بیت المقدس کو مکہ اور مدینہ کے برابر قرار دیا گیا تھا. بلکہ مصنف کے بقول بیت المقدس کو حج کا مرکز بنانے کی بھی کوشش کی گئی .اس کے لئے امام الزہری سے بھی مدد لی گئی. ٤٥ ، پھر وہ اس حدیث کا حوالہ دیتا ہے جس میں بیت المقدس کے چراغوں کے لئے تیل روانہ کرنے کا کہا گیا ہے .

صفحہ ٤٦ ـ ٤٧ . مصنف اسکو بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان رسہ کشی کی صورت میں دیکھتا ہے، اسکا کہنا ہے اموی حکمران مدینہ کو گندہ شہر کہتے تھے اور یزید اول نے تو اسکو بری بو والا کہا تھا.

افسوس ان رکیک الزامات کے لئے مصنف نے نا قابل اعتبار ماخذوں کا حوالہ دیا ہے بھلا کتاب الاگانی جو گانوں کی کتاب کہلاتی ہے تاریخی حوالوں کی مستند کتاب ہو سکتی ہے ؟اور اسکا

لکھنے والا ابو فراج اصفہانی جس کا دادا یہودی تھا اور جو خود معتزلہ اور شیعہ خیالات کا آدمی تھا غیر جانبدار ہو سکتا ہے ؟ پھر ایسے شخص کا ذاتی کردار بھی برا تھا وہ شرابی اور ہم جنس پسند تھا. افسوس اتنی بڑی تہمتیں ایسے ناقابل اعتبار حوالے سے لگائی جا رہی ہیں. کہا گیا اموی خلیفہ مراد دوم حج اسلیے نہیں کرتا تھا کہ حجاز کے لوگ مدینہ کے بارے میں عقیدت بھری نظمیں پڑھتے تھے.

صفحہ ٤٨ اس زمانے میں اہل تقویٰ کسی بھی قسم کا حکومتی عہدہ قبول کرنے سے گریزاں تھے.

صفہ ٤٩ . پھر جمعہ کے خطبہ کا مسلہ اٹھا کہ حکمران ایک خطبہ بیٹھ کر پڑھنا چاہتے تھے، برخلاف مدینہ کے علماء کی رائے کے.

پیج- ٥٤ مصنف نے ایک موضوع حدیث کا حوالہ اپنی دلپسند کتاب الاگانی سے دیا ہے جو کہ اموی حکمرانوں کے حق میں ہے مصنف کا کہنا ہے عباسی خلیفہ المتعدد کے زمانے میں اموی خلفاء کے خلاف حدیثیں گھڑی گئیں. جیسا کہ حضرت امیر معاویہ پر تبرّا خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے سے بیان کیا گیا ہے.

صفحہ ٥٥ ، حدیث موضوع کرنے پر یحییٰ بن سعید القتان کا بیان کہ پاکباز لوگ یہ کام کرتے ہیں.اور واراقی کا زید بن عبداللہ کو جھوٹا کہنا.

٥٦ ، کتوں کے بارے میں ایک حدیث اور حضرات ابو ہریرہ پر اس میں اضافہ کا الزام - مصنف نے اسکا مستند حوالہ نہیں دیا. پھر اسکا کہنا ہے دوسری صدی ہجری میں لوگ حدیث کی اچھی طرح تصدیق نہیں کرتے تھے

٥٧ ، ٹیکس کی بابت حضرت ابو بکر رض کی ایک دستاویز پر اعتراض حوالہ ابو داود اور یاقوت.

۵۹-۶۰ ، عباسیوں کے دور حکومت میں حکومت کے انتظام پر انکی گرفت کمزور ہوئی جس کی ایک وجہ غیر عربوں کی حکومتی عھدوں پر تعیناتی تھی مگر مذہبی طور پر حکومت مضبوط ہوئی اس لئے کہ عباسی خلفاء اسلام میں دلچسپی رکھتے تھے. مصنف کے نزدیک اموی دور سیکولر دور تھااور عباسیوں کا دور مذہبی ترقی کا دور تھا.

۶۱ ، عباسی حکمرانوں نے اپنے لئے مذہبی القابات اختیار کئے. حکمران مذہب کے قریب اور لوگوں میں مقبول تھے. خلیفہ المتوکل کو عید کے دن مبارک باد دینے والوں کی مسجد کے باہر چار میل لمبی لوگوں کی لائن لگی بیان کی گئی ہے. عاجزی اختیار کرنے کی خاطر خلیفہ نے واپس محل پہنچ کر سر میں خاک ڈالی اور اللہ سے سامنے عاجزی ظاہر کی. حوالہ فخر الدین الرازی.

۶۴. ملکہ زبیدہ کے محل میں ایک ہی وقت میں سو عورتیں ایک ہی ساتھ قران کریم تلاوت کرتی تھیں.

اسکے ساتھ ہی مصنف یہ بھی بتانا چاہتا ہے دین کے احکام اور ان پر سختی عوام کے لئے تھی محل میں حکمران شراب بھی پیتے تھے اور محفلیں بھی سجاتے تھے. اسکے لئے مغربی محققین کے حوالے درج ہیں

۶۵ اموی حکمران ولید دوم کے بارے میں الماسودی کے حوالے سے درج ہے کہ وہ کس طرح قران کریم کی شان میں گستاخانہ بات کہنے کا مرتکب ہوا تھا. یہ الماسودی بھی کوئی معتبر حوالہ نہیں ہے. بقول مصنف ان عربوں میں ابھی بھی زمانہ جاہلیت کا کفر باقی تھا.

۶۶ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اقتدار پر عباسیوں کی گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی. انکے نامزد لوگ دور دراز کے علاقوں میں اپنا طاقت کا مرکز قائم کر بیٹھے. خلیفہ اسلامی

خطبات اور جمعہ کے خطبوں میں انکے نام لینے تک باقی رہ گئے. یا پھر سکوں پر انکا نام رہ گیا. بقول رائٹر خود مختار سرداروں نے خلیفہ کو صرف مذہبی پیشوا کے طور پر باقی رہنے دیا، حتی کہ ہلاکو خان نے آکر اس رہی سہی خلافت کا خاتمہ کر دیا.

۷۱، یہاں مصنف نے ایک طرح سے مذہب کی سیاست میں ناکامی کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ مفروضہ قائم کرتا نظر آتا ہے کہ مذہب کا ریاست کی حکمرانی سے واسطہ نہیں ہونا چاہیے ورنہ ریاست ناکام ہو جاتی ہے. مصنف اپنی تحریر کے طے شدہ مقاصد بہت ہوشیاری سے حاصل کرتا ہے.

مصنف اپنی کتاب کے حصہ دوم پیج ۷۱ : عباسی خلفا کے علم و فضل کے دور کا ذکر کرتا ہے جس میں خلیفہ وقت خود بھی شریک ہوتے تھے اور دین اسلام کے قانون فقہ پر غور و فکر ہوتا تھا. المووادی نے تو پبلک لا پر کتاب بھی لکھی. یہ ایک اعلی کتاب تھی جس میں خلیفہ کے منصب پر بھی سوالات اٹھائے گئے تھے ،کہ خلیفہ کیا کرے جب اسکے ماتحت طاقتور ہو جائیں اور اپنے آزاد فیصلے کرنے لگیں اور کھل کر بغاوت کرنے کی بجائے برائے نام خلافت سے جڑے رہیں .

میری رائے میں یہ مشکل تو مسلمانوں کو آج بھی درپیش ہے. نادیدہ قوتوں نے انکو جکڑ رکھا ہے.

صفہ ۷٤ پر مصنف حکمرانوں کو امام ابو یوسف کی رعایتوں کا ذکر کرتا ہے اور ایک کبوتر بازی کے معاملے کا ذکر کرتا ہے جس میں وہ خلیفہ المہدی کو اسکے جائز ہونے کی سند دیتا ہے اور پھر جب خلیفہ کو پتا چلا کہ یہ کام اسلام میں جائز نہیں تو اس نے اپنے سب کبوتر مار دیے. ایسی باتوں کا حوالہ بہت مخدوش ہے اور یہ امام ابو یوسف کے خلاف گھڑے قصے ہیں جو مخالفین کا کام ہے.

۷۵ ۔ عباسیوں کا دور ہی وہ زمانہ تھا جب سنّت اور اسکی سائنس کو پروان چڑھانے کا سرکاری تعاون میسر آیا.

۷۷ ، مصنف کا کہنا ہے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تقریبا ۱۵۰ سالوں میں اسلامی فقہ کی تدوین ہوئی، جو بذات خود ایک کارنامہ ہے کہ اس کام کو انجام دیتے ھوے رومیوں کو صدیاں لگ گئی تھیں.

۷۸ ، اسی دور میں اصحاب رائے کی اہمیت بڑھی کیونکہ فقہ اسلامی کی تدوین میں تمام معاملات پر رہنمائی نہیں مل رہی تھی .

مصنف نے اسکی ایک مثال پیش کی ہے، وہ کہتا ہے تابع تابعین کی نسل میں عبداللہ جو حضرت ابو ہریرہ کے بیٹے ہیں انہوں نے حضرت عمر کے بیٹے سے پوچھا کہ پانی کے ساتھ جو مچھلی ساحل پر آجاتی ہے کیا وہ کھائی جاسکتی ہے، حضرت عمر کے بیٹے نے نفی میں جواب دیا پھر کچھ دیر بعد قرآن کریم منگوایا اور آیات ۵:۹۷ پڑھی تو انکو پتا چلا انہوں نے غلط جواب دیا ہے

۷۹، اصحاب رائے نے رومی قانون سے استفادہ کیا، بینظینٹین کے قانونی طریقے اور نظریے بھی اسلام کی عملی زندگی میں داخل ہو گئے .

۸۰، فقہ گرامر اور علم الکلام کی طرح کم ہی عربی روح کا پروڈکٹ ہے اس سلسلہ میں باہر کے اثر ورسوخ کے بارے میں مسلمان علماء خوب آگاہ تھے، حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ بھی ایرانی النسل تھے.

۸۱.اب عملی طور پر مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے،اہل رائے اور اہل حدیث بقول مصنف دونوں گروہ اپنی اپنی حمایت میں احادیث لانے لگے بقول رائٹر احادیث گھڑی بھی جانے لگیں.اسی کے بعد پھر اسناد چیک کرنے کا سخت پیمانہ مقرر کیا گیا

۸۲، بقول مصنف یہ پیمانہ عراق کے اہل رائے نے قائم کیا ، دوسرا گروہ اپنے موقف کی حمایت میں ایسی حدیثیں گھڑنے پر مجبور تھا ایسا کہنا ہے مصنف کا .

اہل رائے بھی مجبور تھے کہ انکی بات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا تو انہوں نے بھی احدیث گھڑنا شروع کر دیں.

۸٤. مصنف دونوں گروہوں کو واضح کرنے کی خاطر دس بیویاں رکھنے والے آدمی کی مثال دیتا ہے. کہ اسلام لانے کے بعد وہ کون سی چار رکھے گا اور باقی کون سی کو چھوڑے گا. اس ضمن میں عراقی اور مدنی مکتبہ فکر کی مختلف آرا، اہل رائے نے قیاس کیا اور بتایا کہ وہ جن سے پہلے نکاح کیا ہے وہ والی چار رکھ سکتا ہے.

حضرت عمر کے پوتے عبید اللہ جب عراق گئے دوسری صدی ہجری کے وسط میں تو انہوں نے کہا عراق کے علماء تعلیمات اسلامی کو مسخ کر رہے ہیں. حضرت مالک بن انس کا خیال تھا کہ عراق کے علماء ایک حدیث کی بھی درست تشریح نہیں کر سکتے.

۸۵. مصنف کہتا ہے اسلام کے اوائل دور میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ ایک یکساں سنت پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا.

۸٦. ایسے موقع پر امام شافعی نے حدیث کی سائنس پر بہت کار آمد کام کیا

۸۷. لوگوں کی حقیقی زندگی اور سنت میں تال میل نہیں تھا

۸۸. اہل حدیث میں ابن خطیبہ نے بھی اجماع کی بات کی، روایت پسندی کے مقابلے میں اجماع کی قوت کو تسلیم کیا

پیج ۹۰-۹۱ : مصنف بنو امیہ کے دور میں حکمرانوں کے حق حقوق کے بارے میں احادیث کا ذکر کرتا ہے، تو یہاں سے دو قسم کی سوچ والے لوگ ہو گئے. ایک وہ جو بنو امیہ کی حکمرانی کو مسلم حکومت خیال کرتے تھے اور انکے ساتھ وفاداری اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے اور

دوسرے وہ جو انکو غلط خیال کرتے تھے. پھر ایک درمیانی طبقہ بھی تھا جو حکمرانوں کی اطاعت کو ضروری خیال کرتا تھا.

٩٤ ۔ مسلم حکمران برا بھی ہو تو بھی اسکی اطاعت کرو، مصنف نے اس حدیث پر بحث کی ہے اور اسکے اثرات پر بات کی ہے

٩٥ ۔ مصنف نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جو دنیا کے آخری زمانہ کے سلسلہ میں ہیں اور انکو فقہاء کی اختراع اور اس وقت کے دور کی ضرورت قرار دیا ہے

٩٦ ۔ اسکے بعد وہ اجماع امّت پر بات کرتا ہے کہ حکمران کو لوگوں کا اعتماد حاصل ہو اور لوگوں کو بس تسلیم و رضا اختیار کرنی ہے حکمران چاہے کتنا ہو برا کیوں نہ ہو اسکی مخالفت نہیں کرنی

مصنف اس ضمن میں ایسی حدیثوں کا ذکر کرتا ہے جو اس رویہ کی حمایت میں ہیں وہ خیال کرتا ہے کہ یہ حکمرانوں نے اپنے فائدہ کی خاطر ایجاد کی ہیں.

یہ کس زمانہ میں ہوا؟ مصنف کے پاس کوئی ثبوت نہیں اور اسکا وہ خود بھی اقرار کرتا ہے، اسکا خیال ہے ایسا پہلی صدی ہجری میں ہوا ہو گا.

٩٩ ۔اسکے بعد وہ جنگ حنین میں بنو ہاشم سے ترجیحی سلوک کی طرف آتا ہے، یہاں عباسی خلیفوں کے حق میں حدیث اور شیعہ کی مخالفت میں حدیث آنے کا ذکر کرتا ہے اور اسی تارہ عباسیوں کا اپنا شجرہ نسب نبی کریم سے جوڑنے والی حدیث کے لانے کا بیان ہے.

١٠١ .اس حدیث کا بیان کہ نبی ورثہ نہیں چھوڑتے، جس میں حضرت فاطمہ کا حضرت عائشہ کے پاس جانا اور انکا کہنا کہ نبی ورثہ نہیں چھوڑتے، جب کہ شیعہ کہتے ہیں کہ نبی کی وراثت ہوتی ہے کیوں اسی اصول سے پھر وہ خود کو خلافت کا حق دار کہتے ہیں.

١٠٦ ۔السیوطی کے حوالے سے خلیفہ المہدی کو ابن عدی نے حدیث گھڑنے والا کہا ہے

ایک غیر معتبر کتاب کے حوالہ سے حدیث کہ حضرت عمر نے حضرت عباس کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی تھی، اسی قصّے کا حوالہ مصنف نے مثنوی مولانا روم سے بھی دیا ہے.

۱۰۹ ۔بقول مصنف شیعہ اپنا الگ قرآن بنانا چاہتے تھے.

۱۰۱ ۔ مصنف نے قرانی آیات کے حوالے سے شیعوں کی مختلف تشریحات کا ذکر کیا ہے. مثال کے طور پر جہاں قرآن کریم میں دابتہ الارض کا ذکر ہے انکا کہنا ہے اس سے مراد حضرت علی ہیں.

اسی طرح کی جو احادیث عراق میں جبیر نے حضرت علی کے حق میں پھیلائی ہیں امام ابو حنیفہ نے اسکو جھوٹا کہا ہے.

۱۱۱. مصنف آیات ۴۸:۲۹ کے سلسلہ میں ایک مقدمہ کا ذکر کرتا ہے جو جو بادشاہ نادر شاہ کے دربار میں لایا گیا جس میں شیعوں کا کہنا تھا یہ آیت حضرت علی کے بارے میں ہے جب کہ سنی علماء کا کہنا تھا یہ چاروں خلیفوں کے بارے میں ہے. اس میں کیوں کہ بنی اسرائیل کے نبیوں کا بھی ذکر ہے تو نادر شاہ نے انکے علماء کو غیر جانبدارانہ فیصلہ کرنے کے لئے طلب کر لیا، ان علماء نے سننوں کے حق میں فیصلہ دے دیا.

اسی طرح آیت ۲۲:۱۸ کے بارے میں شیعوں کا کہنا ہے شجر ملعونہ سے مراد بنو امیہ ہیں .

۱۱۲ ۔ شیعوں نے حضرت علی کے حق میں اور انکے خاندان کے حق میں حدیثیں گھڑیں، خلافت پر حضرت علی کا حق ثابت کرنے کے لئے انہوں نے آخری وصیت والی حدیث گھڑی.

۱۱۳ ۔ عید غدر کا ذکر اور برّہ بن عزب کے حوالے سے حدیث کا ذکر

پھر اس بات کا چرچا کہ حضرت علی کو سب سے الگ آپ نے سب کچھ بتا دیا تھا، یہ وہ بات تھی جس پر خود حضرت علی نے بھی احتجاج کیا تھا.

مصنف کا کہنا ہے کہ پہلی چند صدیوں میں شیعوں اور سنیوں نے اپنے اپنے موقف کے لئے کوشش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گواہ اور اپنے موقف پر اتھارٹی بنا کر پیش کریں. مصنف کا کہنا ہے حدیث گھڑی ہی نہیں گئیں بلکہ ان کے متن میں اپنے مطلب کی ترمیم اور اضافے بھی کئے گئے اور اس میں شیعہ پیش پیش تھے. اب یہ دو گروہ بن چکے تھا عثمانیہ اور ترابیہ.

١٢٦-١٢٧ - گولڈزھر کا کہنا ہے سیاسی شعبہ ہو مذہبی یا فقہی غرض ہر شعبہ میں موافقت اور مخالفت میں احادیث ملتی ہیں. سنّت کا حق اور بدعات کی برائی میں بھی حدیثیں ہیں . اب اسلام کی تاریخ میں ایسا وقت آگیا کہ اس رویہ کے خلاف سخت رد عمل شروع ہو گیا اور یوں احادیث کو جانچنے کے سخت پیمانے مقرر کئے گئے.

یہاں مصنف نیک اور پاکباز لوگوں پر ایک عجیب الزام لگاتا ہے کہ ان نیکوکار لوگوں نے من گھڑت احادیث کے خلاف لڑنے کا انوکھا طریقہ نکالا تھا کہ وہ پہلے سے گھڑی احادیث کا جواب نئی حدیثیں گھڑ کر دیتے تھے. انہی میں سے وہ اس حدیث کو شامل کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث گھڑنے والے کو سخت سزا کی وعید سنائی ہے، اسکے علاوہ بھی مصنف نے اور مثالیں بھی دی ہیں.

١٣١ -جب دوسری تیسری صدی میں فقہا نے بائبل کے قصّوں کی مخالفت کی تو بقول مصنف یہ حدیث سامنے لائی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو یہودی قصّے لکھنے سے منع کیا تھا.

۱۳۲ - پھر اسی زمانے کے ان آزاد خیال مفکرین کا ذکر ہے جھنوں نے احادیث پر اعتراض اٹھائے اور کہا کہ حدیث کی اسناد میں اس شیخ کا نام بھی ہوتا ہے جسکو حدیث بیان کرنے والا خود بھی پسند نہیں کرتا.

۱۳۳ -اب گولڈ زیھر کا کہنا ہے کہ جس حدیث کو عام پزیرائی حاصل ہو گئی اسکو اجماع کا نام دیکر سچی قرار دے دیا گیا. خطیب البغدادی کا حوالہ

قرآن سے مطابقت اور قبول عام کو حدیث کی سچائی کی کسوٹی خیال کیا گیا مصنف نے اس سلسلہ میں ابن عباس کا حوالہ دیا ہے

۱۳٤ - رائیٹر کا کہنا ہے اپنے اپنے اثر ورسوخ والے علاقے میں علماء نے اپنی پسند کی احادیث کو قبول عام میں بدلا. مصر میں ابو لیث نے حضرت عثمان کی فضیلت بیان کی تو حمس میں اسماعیل بن عیش نے حضرت علی کی فضیلت کو قبول عام حاصل کروایا. اسی طرح کوفہ میں واقی نے جابر الجوفی کی بیان کردہ احادیث کو قبول عام دلوایا.

اسکے بعد اگلا دور شروع ہوا اور اسماالرجال کا کام شروع ہوا. احدیث کو بیان کرنے والوں کے کردار اور حالات پر معلومات اکھٹی کی گیں. یوں اسناد کو اہمیت حاصل ہوئی اور متن کی طرف کم دھیان دیا گیا.

مصنف کہتا ہے احادیث پر تنقیدی جائزہ کا کام ابن عون ف ۱۵۱ ، شعبہ ف ۱٦۰ اور عبداللہ بن مبارک ف ۱۸۱ کے زمانے میں شروع ہوا. تنقیدی اصول سخت تھے خاص طور پر عراق میں.

۱۳۵ - تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تنقید حدیث کی سائنس نے اور ترقی کی اور اس میں نمایاں اہمیت نسائی کی کتاب الضیف کو حاصل ہے ف ۳۰۳ اور دوسری ابن عدی کی الکامل ہے

۱۳٦ - حدیث بیان کرنے والوں کے خصائل جو بیان کئے گئے ہیں ، ثقہ ، متعین ، ثابت، حجت، عدل، حافظ ، یہ پہلے درجے کی صفات ہیں

دوسرے درجے میں صادق ہونااور قابل اعتراض نہ ہو. تیسرے درجہ پر بیان کرنے والے کم از کم جھوٹے نہ ہوں. پھر اسلے علاوہ بھی نچلا درجہ ہے

۱۳٦-۱۳۸ - معرفت الرجال کا فن ابی حیتم ف ۳۲۷ کے دور میں اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا. پھر زمانے کے لحاظ سے بھی بیان کرنے والے کی جانچ کی جانے لگی.

۱٤۰ - مصنف بیان کرتا ہے مالک بن انس کے حوالے سے کہ مشہور شخصیت اویس قرنی کا کوئی وجود نہیں - حوالہ ابن حجر، الخطیب، دارمی

۱٤۱ - یہ اصول وضع ہوا کہ دو درست حدیثوں سے مثبت والی کو فوقیت حاصل ہو گی

۱٤۲ - مختلف مکاتب فکر کی اپنے حق میں احادیث لانے کا بیان - مثال کے طور پر عراق اور مدینہ کے علماء

۱٤۳ - روایت کرنے والوں کے بارے میں فقہاء اور علماء کا مختلف رائے ہونا بھی ایک مسلہ ہے.

اپنی کتاب حصّہ دوم میں پانچویں باب کا عنوان مصنف نے حدیث کا استعمال بطور کردار سازی اور تفریح رکھا ہے.

اس کا کہنا ہے جن احادیث کا تعلق حلال و حرام سے ہیں انکو جانچنے کا پیمانہ سخت ہے جبکہ جو احادیث قصّوں اور اخلاقی اسباق پر مشتمل ہیں انکے بارے میں نرم رویہ اختیار کیا گیا ہے. ان میں موجود داستانوں اور اخلاقی باتوں کو جانچ کے سخت معیار میں سے نہیں گزارا جاتا.

بقول مصنف ابولیث سمرقندی کی اخلاقی تربیت کے لئے لکھی گئی کتاب تنبیہ الغافلین میں موضوع کی گیں حدیثیں ہیں . اسکے علاوہ امام ابن جوزی نے امام غزالی کی اخلاقیات پر

کتاب احیاء میں موجود کئی موضوع احادیث کی نشاندھی کی ہے۔ بقول مصنف ایک اچھے کام کی خاطر برا کام کیا گیا۔

۱۴۷۔ مصنف نے کسی ابو اسما کا ذکر کیا ہے جس کا کہنا تھا کہ اللہ کو خوش کرنے کی خاطر کہ لوگ قران کی جانب متوجہ ہوں اس نے احادیث گھڑی ہیں کیونکہ لوگوں کی توجہ قران کو چھوڑ کر ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کی مغازی کی طرف ہو رہی تھی..... انہی باتوں کو لیکر امام نووی، السیوطی، امام حمبل اور دارمی سے حوالے منسوب ہیں۔

مصنف کا یہ بھی کہنا ہے کہ حدیثوں کے نام پر زمانہ جاہلیت کے اقوال، تورات اور انجیل سے واقعیات بھی لئے گیے ہیں اور انکو اسلامی تعلیمات کا حصّہ بنا دیا گیا ہے۔

۱۵۰۔۱۵۹۔ یہاں مصنف ایک اور طبقہ کا ذکر کرتا ہے۔ یہ وہ قصّہ گو تھے جو لوگوں کو سر راہ کہانیاں سناتے تھے اور ان میں من گھڑت باتوں کو حدیث کہ کر شامل کر دیتے تھے۔

۱۵۹۔۱۶۳۔ پھر مصنف نے ایسے عمر رسیدہ لوگوں کا ذکر کا ہے جو لوگوں کو کہتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ان سے منسوب حدیثیں بیان کرتے تھے۔

اس بارے میں اس نے ایسی کئی مثالیں دی ہیں، ان حوالوں کے لئے اس نے کتاب اگنی کو سند لیا ہے۔ انہی قصّوں میں ایک ہندوستانی رتن بن عبداللہ کا بھی ذکر ہے جو کہتا تھا میں نے حصور صلی اللہ علیہ وسلم کی کم سنی میں انکے ساتھ سفر کیا ہے۔

یہ سب پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مصنف کو تو کچھ تحقیق کرنا نہیں پڑی، سب کچھ تو خود ہی مسلمان اہل علم ودانش نے ہی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہوا ہے۔ مصنف نے اس مواد کو جمع کر کے استعمال کیا ہے تاکہ ان سب باتوں کو بنیاد بنا کر وہ جو سچائی احدیث کی صورت میں موجود ہے اسکو مشکوک بنائے تاکہ مسلمانوں کا تعلق اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کم

ہو اور مسلمان اپنے دین سے بلا آخر بد ظن ہو جائیں۔ کتاب کا چھٹا باب طالب حدیث کے نام سے ہے

١٦٤ -احادیث اپنے مرکز مدینہ نے آگے پھیلیں مگر انکا ایک ماخذ مقامی بھی تھا جس کی تصدیق بقول مصنف ابوداود نے کی ہے

احادیث کی تصدیق انکے راویوں سے ملکر کی جاتی تھی اسکے علاوہ تصدیق کا دوسرا طریقہ نہ تھا لہٰذا حدیث کو جاننے کے مشتاق متلاشی دور دراز کا سفر کرے وہاں تک جاتے جہاں حدیث بیان کرنے والا ہوتا اور خود اسکی زبان سے حدیث سن کر پھر اسکی تصدیق کرتے

١٦٩ - یہ حدیث کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے بقول مصنف ضرب المثل تھی عرب قبائل کی پھر یہ حدیث میں ایک اہم اسلام کے اصول کے طور پر ڈھل گئی اور پھر یہ مقبول عام کا درجہ اختیار کر گئی۔

آگے پھر مصنف ابو عبداللہ بن مانڈا کا ذکر کرتا ہے جو چالیس اونٹوں پر علم حدیث کی کتابیں لیکر لوٹے تھے۔ ذکر قران بلا معاوضہ پڑھانے کا اور معاوضہ لیکر پڑھانے کا

حدیث کاروبار کی شکل اختیار کر گئی، حدیث کے بدلے معاوضہ لیا جانے لگا۔ ذکر دو درہم کے بدلے ستر حدیثیں سنانے والے کا جس کا دعوی تھا کہ وہ دس سال حضرت ابو حریرہ کی خدمت میں رہا ہے۔

١٧١ -دور دراز سے احادیث اکھٹی کرنے کی دوڑ لگی ہوئی تھی یہ تیسری صدی ہجری کی بات ہے۔ ان حالات میں پانچویں صدی تک سنی سنائی باتیں اکھٹی کرنا عروج پر پہنچ گیا تھا، تب دو مسلم فقہاء نے حدیثیں اکھٹی کرنے کے طریقہ کار پر گہری نظر ڈالی۔ انمیں ایک ابو بکر احمد الخطیب البغدادی ف ٤٦٣ تھے جھنوں نے اس پر اپنی محنت سے مشہور کتاب تحریر کی اور اصول اور ضوابط طے کیے۔ البغدادی نے حدیث جمع کرنے اور کے طریقہ کار پر اور انکی صیحت پر سخت تنقید کی

۱۷۲-الغزالی ف ۵۰۵ نے حدیث جمع کرنے کے طریقہ کار پر تنقید کی ہے

۱۷٤-مصنف کا کہنا ہے چھٹی صدی ہجری میں طلاب حدیث کی سرگرمیاں ماضی کا حصّہ بن گئیں. حدیث کی تعلیم کے دار العلوم قائم ہو گئے جیسے کہ نور الدین زنگی نے دمشق میں ایسا پہلا ادارہ قائم کیا جو نوریہ اکادمی کہلائی. پھر ایسے کئی ادرارے مصر میں قائم ہو گئے. ٦٢٦ ہجری میں ایک اور ادارہ دمشق میں قائم ہوا جس کا نام مدرسہ اشرافیہ تھا. جس میں امام نووی بھی استاد تھے.

۱۷٦-اجازت طریقہ کار کی بات، اس میں لکھی ہوئی احادیث تقسیم کر دی جاتی ہیں جن کو آگے دینے کی اجازت ہوتی ہے.

۱۷۷-پھر طالب کی لمبی مسافرت کی جگہ اجازت سسٹم نے لے لی- یہ اجازت حدیث سننے کے برابر سمجھی جاتی، اس پر بھی البغدادی کی تنقید ہے کہ یہ اجازت کم سن بچوں کو بھی بخشی گئی جو غیر حاضر بھی تھے. اسکے باوجود اجازت حاصل کرنے والوں میں نامی گرامی محدثین بھی شامل ہیں جنکے نام مصنف بیان کرتا ہے.

باب سات: وہ دور جس میں احادیث لکھی جانے لگیں

۱۸۱-مصنف کا کہنا ہے محقق سپر نگر نے ۱۸٥٦ میں لکھے اپنے مقالے میں ایسی کئی تحریروں کی موجودگی سے ثابت کیا ہے کہ علم حدیث دور اول ہی سے لکھی ہوئی صورت میں موجود تھا. یہ کہنا غلط ہے کہ شروع میں احادیث لکھی ہوئی صورت میں موجود نہیں تھیں. عبدللہ بن عمر و العاص سے احادیث لکھنا ثابت ہے. اور بھی کئی صحیفے موجود تھے. احادیث لکھنے کی ممانعت نہیں تھی.

یہی وجہ ہے پہلی صدی ہجری کے آخر تک بہت ساری لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں. امام زہری کے پاس کئی مسودوں پر مشتمل کتب خانہ تھا. عبدللہ بن لیلی کا مصر میں کتابوں کا ایک

بڑا ذخیرہ تھا ف ۱۷٤ ، جو آگ سے جل گیا تھا. اسی طرح امام مالک بن انس اپنے شاگردوں کو لکھی ہوئی عبارت سے پڑھایا کرتے تھے.

۱۸۳ - حضرت سعید بن مصیب نے اپنے شاگرد عبدالرحمان کو خاص اجازت دی تھی کہ وہ احادیث لکھیں کیوں کہ انکا حافظہ کمزور تھا ف ۱٤٥

۱۸٤ - ایسے دو گروہ بن گئے جو لکھنے کے حق میں اور مخالف تھے. اور انکے اپنے اپنے دلائل تھے. امام حمبل سے منسوب ہے کہ انکا کہنا تھا کہ روایتوں کو تحریری طریقہ سے پھیلاؤ شعبی بھی لکھنے کے حق میں تھے.

۱۸۷ - حفاظ احدیث کو زبانی یاد کرتے تھے اور بہت سے علماء اس طریقے کے حامی تھے انمیں درج ذیل صحیفہ بھی شامل ہیں جو موجودہ زمانہ میں دریافت ہوا تھا

صحیفہ ہمام ابن منبہ جس کا اصل نام الصحیفۃ الصحیحہ ہے۔ یہ ہمام بن منبہ، ابوہریرہ کے شاگرد ہیں۔ جنہوں نے یہ صحیفہ (جس میں 138 حدیثیں درج ہیں) لکھ کر اپنے استاد ابوہریرہ (وفات: 58ھ) پر پیش کر کے اس کی تصحیح و تصویب کرائی تھی۔ گویا یہ صحیفہ سن 58 ہجری سے بہر حال پہلے ہی ضبط تحریر میں لایا گیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے سن 1933ء میں برلن کی کسی لائیبریری سے ڈھونڈ نکالا۔ اور دوسرا مخطوطہ دمشق کی کسی لائیبریری سے۔ پھر ان دونوں نسخوں کا تقابل کر کے 1955ء میں حیدرآباد دکن سے شائع کیا۔ اس صحیفے میں کل 138 احادیث ہیں۔ عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

” صحیفہ ہمام بن منبہ، جسے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے حال ہی میں شائع کیا ہے، ہمیں یہ دیکھ کر کمال حیرت ہوتی ہے کہ یہ صحیفہ پورے کا پورا مسند احمد بن حنبل میں مندرج ہے۔ اور بعینہ اسی طرح درج ہے جس طرح قلمی نسخوں میں ہے ماسوائے چند لفظی اختلافات کے، جن کا ذکر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے کر دیا ہے۔ لیکن جہاں تک زبانی روایات کی وجہ سے معنوی تحریف کے امکان کا تعلق ہے، اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب دیکھیے احمد بن حنبل کا سن وفات 240ھ ہے۔ بعینہ صحیفہ مذکور اور مسند احمد بن حنبل میں تقریباً 200 سال کا عرصہ حائل ہے۔ اور دو سو سال کے عرصے میں صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایات زیادہ تر زبانی روایات کے ذریعے ہی امام موصوف تک منتقل ہوتی رہیں۔ اب دونوں تحریروں میں کمال یکسانیت کا ہونا کیا اس بات کا واضح ثبوت نہیں کہ زبانی روایات کا سلسلہ مکمل طور پر قابل اعتماد تھا۔

صحیفہ کی اشاعت اور تقابل کے بعد دو باتوں میں ایک بات بہر حال تسلیم کرنا پڑتی ہے:

1: زبانی روایات، خواہ ان پر دو سو سال گزر چکے ہوں، قابل اعتماد ہو سکتی ہیں۔

2: یہ کہ کتابتِ حدیث کا سلسلہ کسی بھی وقت منقطع نہیں ہوا

حوالہ https://ur.wikipedia.org/wiki

اگلا باب آٹھ حدیث بطور ادب

۱۸۹ ۔ مصنف کا کہنا ہے اسلام کے پہلے دور میں مذہب ادب کے سفر کا محرک نہیں تھا بلکہ سیکولر ادب تھا. دور امیہ میں غیر اسلامی ادب کو پروان چڑھنے دیا گیا.

۱۹۲ ۔ عباسی دور میں پرانی تفسیر پر بیشمار اعترض، مغازی اور تاریخی واقعیات میں بھی فرق کا ذکر ۱۹۵ ۔ حضرت عمر بن عبد لعزیز کے کہنے پر احادیث کو لکھا گیا.

مصنف نے ۱۸٤۸ میں فرانسیسی محقق جولیس ڈیڈ کے حوالے سے لکھا ہے کہ معاویہ اول نے بیشمار روایتوں میں اضافہ کو روکنے کی خاطر پرانے مسودات جمع کے جن کا وزن دو سو اونٹ اٹھاتے تھے، پھر دو سو زہین علماء کو جمع کیا اور ان میں سے چھ آدمیوں کا چناؤ کیا اور ان سے کہا ان مسودات کی چھان بین کر کے انکو مختصر کریں. انہوں نے اس کو چھ کتابوں تک محدود کر دیا. باقی سب کو دریا برد کر دیا گیا. مگر مسلمان محققین اس بات سے اتفاق نہیں کرتے.

مسلمانوں کے مطابق محمد بن الحسن الشیبانی ف ۱۸۹ نے پہلی دفعہ احادیث کو تحریر شکل میں لکھا، علامہ السیوطی کے مطابق یہ پہلی کوشش تھی.

۱۹۶ - مصنف نے اس تمام پر بھی شک کا اظہار کیا ہے. اسکا کہنا ہے امام حمبل نے عبدالملک بن جریر ف ۱۵۰ کو لکھنے کا کام سونپا اور انہی کے زمانے میں سعید بن ابی اُروبہ ف ۱۵٦ نے عراق میں احادیث لکھنے کا کام شروع کی اور انکے باب مقرر کیے .

۱۹۷ - ابن ابی ندیم نے تو مخل ف ۱۱٦ سے فقہہ اور سنّت پر کتاب لکھنے کا ذکر کیا ہے

مصنف ان تمام کے بارے میں مشکوک ہے اسکا کہنا ہے وہ احادیث نہیں بلکہ فقہ کا کام تھا ماسوائے امام مالک کی موطا کے جو کہ حدیث کی کتاب ہے اور وہ روایت لکھنے کی پہلی کتاب تصور نہیں ہوتی. مصنف کے مطابق موطا کو حدیث کی چھ کتابوں میں شمار نہیں کیا گیا تھا. وہ اسکو سنّت کی کتاب شمار کرتا ہے.

۱۹۹ - موطا کی اہمیت یہ ہے کہ اسمیں سنّت کے مطلق باتوں کو اور قوانین کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے اور اس سے باقی امّت کے لئے افکار اور عمال کے بارے میں یگانگت پیدا ہوئی. امام مالک نے صرف روایتوں کو جمع نہیں کیا بلکہ وہ اسکے مفسر بھی ہیں.

دوسری صدی ہجری میں کئی کتابیں موطا کے نام سے آگیں جو ایک دوسرے سے مختلف تھیں، لکھنے والوں اور اجازت لینے والوں کو امام مالک نے اجازت دی تھی - جو موطا امام مالک مقبول عام ہے وہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ المسمودی کی ہے ف ۲۳٤

پھر مسند لکھنے کا زمانہ ہے جس میں مشہور مسند امام احمد بن حمبل ہے

۲۱٦ - مصنف نے اہل رائے اور اہل حدیث کے درمیاں تھوڑا ٹیکل اختلاف کا ذکر کیا ہے

پہلی مصحف جس کو شرف قبولیت حاصل ہوا وہ امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری ہے ف ۲۵٦

٦ ٦ ۲ ۔مناسب الفاظ میں بخاری میں تبدیلی کا ذکر صحیح مسلم کا ذکر ف ۱ ٦ ۲

۲۳۲ سنن میں نرم شرائط کی وجہ سے کئی احادیث جمع کی گیں .

دین اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان قرآن کریم میں موجود ہے اور اس آیت مبارکہ کا نزول میدان عرفات میں حجتہ الوداع کے موقع پر ہوا تھا. اسکے بعد کسی ایسی بات کی ضرورت نہیں تھی جس کا مقصد اسلام میں موجود کسی کمی کو پورا کرنا ہو. کیا عقائد میں اسکے بعد کسی قسم کا اضافہ ہوا؟ ہاں ایسا بارہا ہوا کہ جب بھی اسلام میں کسی نے نئی بات داخل کرنے کی کوشش کی اس فرد یا گروہ کو ناکامی ہوئی اور وہ ایک الگ گروہ کی شکل اختیار کرنے کے بعد مرکزی اسلام سے جدا ہو گیا. ایسے کرنے والے گروہ جو کہ اقلیت میں تھے وقت کے ساتھ ساتھ کمزور پڑ کر خود ہی بے وقعت یا ختم ہو گئے . اس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، کیا بھاؤ الدین کے ماننے والوں کو مسلمان تسلیم کیا گیا، کیا خارجیوں کو تسلیم کیا گیا، کیا قادیانی مین سٹریم اسلام کے لئے قابل قبول ہوے. کیا دین اکبری کو مسلمانوں نے پذیرائی بخشی تھی؟ یہ کہنا بلکل غلط ہے کہ اسلام میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں ہوتی چلی گئیں . ہاں جب بھی امّت میں کچھ لوگ بھٹکے اور انہوں نے دوسروں کو بھٹکانے کی کوشش کی تو اسلام کے فقہاء محدثین اور وقت کے مجددوں نے امّت کو راہ حق پر گامزن رکھنے کی خاطر لا فانی کردار ادا کیا، اس کی مثالیں ہمیں امام شافعی، امام غزالی، امام ابن تیمیہ، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ والی اللہ اوران جیسے کئی اور بزرگان دین کی کاوشوں سے ملتی ہے. لہٰذا دین اسلام کوئی موم کی ناک نہیں تھی کہ وقت کے حاکم یا اپنی عقل پر گھمنڈ رکھنے والے کچھ علماء اپنی مرضی سے دین اسلام میں باتیں داخل کر دیتے. اگر کسی نے یہ کوشش کی بھی تو وہ ناکام ہوا اور اکابرین دین نے خود اسکو سب کے سامنے فاش کر دیا، یہ سب بتلانے میں مغربی محققین کا کیا کمال ہے؟

اسلام کے بارے میں گولڈ زیھر کی آراء

بقول گولڈ زیھر عربی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ان خیالات اور تصورات پر مشتمل تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیت عیسیٰیت اور دیگر بیرونی ذارئع سے حاصل ہوے تھے.

مصنف کو یقین نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے پر، قران کریم کا کلام اللہ ہونے پر، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے اترنے پر.

اسلام کی تعلیمات کو وہ دوسروں سے مستعار خیال کرتا ہے اور احادیث کو وہ من گھڑت وقت اور زمانے کی ضرورت کے تحت وجود میں لائی گئی بتلاتا ہے

بات سیدھی سی ہے یا تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں لاتے. اگر لاتے ہیں تو اپکا زاویہ نگاہ اور ہو گا. پھر آپ اس بات پر بھی ایمان لائیں گئے کہ وحی ذریعہ ہدایت ہے اور قرآن اس وحی کا جمع کیا ہوا ہے. پھر اللہ کے رسول نے جو ضابطہ حیات ترتیب دیا ہے اسکی اعلیٰ خوبیاں آپ پر منکشف ہو نگی اور اپکا ایمان جب عمل سے گزرے گا تو یہ یقین اور بھی پختہ ہو جائے گا. اگر آپ رسالت پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر آپ اس آدمی سے مختلف ہیں جو ایمان نہیں رکھتا لہذا ہر طرح کے شک اور شبہ کا شکار ہے.

قرآن کریم نے تو بہت پہلے کہہ دیا تھا:

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكۡفُرُونَ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُواْ بَيۡنَ ٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ وَيَقُولُونَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٖ وَنَكۡفُرُ بِبَعۡضٖ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيۡنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (١٥٠) أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ حَقّٗاۚ وَأَعۡتَدۡنَا لِلۡكَٰفِرِينَ عَذَابٗا مُّهِينٗا (١٥١) سُوۡرَۃُ النِّسَاء

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر ایمان لائے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان ایک راہ نکالیں (۱۵۰) ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور ہم نے
کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

کیا ایک عظیم دین کسی ایک محقق کے تحقیقی مفروضے پر قائم ہے جس کا کہنا ہو کہ دین اسلام زمانے میں بدلتی تبدیلیوں کی پیداوار ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہونے والی شے ہے.

ہلاکو نے جب بغداد کو تباہ کیا تو کتابیں جو دریا برد ہوئیں انکی سیاہی سے دریا کا پانی کئی دن کالا رہا- کیا وہ ذہین لوگ نہیں تھے؟ کیا اب ہی پیدا ہونے والوں کو سچائی معلوم ہو نا تھی؟، کیا اس وقت کے لوگ ان بحثوں سے نہیں گزر چکے تھے. کیا قدریہ جبریہ، اشعری معتزلہ، اہل رائے اہل حدیث، شیعہ سنی اور دیگر نہ جانے کن کن گروہوں کی آپس کی بحثیں دلیل بازیاں نہیں ہو چکی تھیں نہ جانے اس دور کے مسلمان کتنی منتقوں اور فلسفوں کی خاک چھان چکے ہونگے. تب جب یورپ جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبا سویا ہوا تھا.

گولڈ زیھر لکھتا ہے اسلام ایک کمزور انسان کو ایک طاقتور ہستی پر انحصار کرنے والا اور اسکا تابعدار اور مطع بناتا ہے. یہی بات آج لبرلز بھی کہتے ہیں کہ اسلام غلامی سکھلاتا ہے.

Islam means submission, the believer 's submission to Allah. The word expresses first and foremost a feeling of dependency on an unbounded omnipotence to which man must submit and resign his will

اسکے بعد اسلام کو بیرونی نظریات سے مستعار خیالات کا مجموعہ قرار دیتے ہوے وہ لکھتا ہے

But the most important stages in its history were characterized by the assimilation of foreign influences

بیرونی اثرات کے زیر اثر وہ اسلامی عقائد کو یونانی تصورات سے مستعار، اسلامی قوانین کو رومی قانون کی دین ، اسلامی نظام حکومت کو ایران کے سیاسی نظریات سے آلودہ اور اسلامی تصوف کو ہندو اطوار سے اخذ شدہ قرار دیتا ہے. اسکا مزید کہنا ہے

The Arabs Prophet's message was an eclectic composite of religious ideas and regulations. The ideas were suggested to him by contacts, which had stirred him deeply, with Jewish , Christian and other elements and they seemed to him suited to awaken an earnest religious mood among his fellow Arabs

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوے وہ لکھتا ہے

It is not our task to inquire into the pathological causes that awakened and confirmed Muhammad's sense of revelations. Harnack's profound words came to mind about diseases that only strike supermen who then draw from them new life never before suspected energy that levels all hindrances in its path and the zeal of the Prophet or apostle

اسکا کہنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نیا(اور یجنل) نہیں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض مصلح کی تھی. بقول اسکے

The first historically effective reformer among the Arabs was Muhammad. Therein lies his originality, no matter how much eclectic of his prophecy may be

بقول گولدزھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائبل اولڈ ٹیسٹامنٹ سے خیالات لیکر اپنے پیغام کی بنیاد رکھی. جس میں قیامت اور آخرت کا ذکر ہے، نبیوں اور پیغمبروں کا ذکر ہے اور اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں. اسکے الفاظ ہیں

Thus it was with borrowed blocks that Muhammad built his eschatological message. He made use of Old Testament history (mostly in

haddadic form citing from it admonitory examples of the fate of the ancient people from it admonitory examples of the fate of the ancient people who opposed and

scoffed at the Warner sent to them. Muhammad now placed himself at the end of the chain of Prophets, he was its final link "pg 8

یہاں میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں. ایک طرف تو مغربی مستشرقین کہتے ہیں اسلامی قوانین پہلی اور دوسری صدی ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ترتیب پانا شروع ہوئے اور یہ کہ شروع میں فقہ کا تعلق سنّت اور قران سے نہیں تھا جیسا کہ جوزف ساخت کا بھی ایسا ہی ماننا ہے. مگر یہاں گولڈزیھر یہ ثابت کرتے ہوئے کہ اسلام زمانے کے ساتھ تغیر و تبدل کے ساتھ بدلنے والا مذہب ہے، مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں اسلامی قوانین کی ترویج کا اقرار کرتا نظر آتا ہے.

"It was in Medina that Islam became an institution. it also became a fighting organization whose trumpet has echoed through all the latter history of Islam. Only yesterday Muhammad had been resigned and long suffering, preaching patience and perseverance to his handful of faithful companions who had to endure the scorn of the Meccan patricians. Now he organised military

expeditions. He had disdained earthly possessions, now he set about regulating the distribution of plunder and fixing the laws of inheritance and property. He did not, it is true cease to speak of the vanity of earthly things, but in the meantime, laws were laid down, institutions were created for religious practices and to the most pressing circumstances of social life. The rules of conduct that served as the foundation of later jurisprudence found their definite form here, although some of them had been prepared by the Meccan revelations and brought in rudimentary from to the north Arabian date palm oasis by the Meccan immigrants

یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ دین اسلام کے مخالفین نے جو الزامات بھی بن پڑے دین اسلام پر لگاے ہیں. اسکو وقت کے ساتھ بدلنے والا دین کہا، احادیث کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہدایات اور فرمان کا مجموعہ ہے انکی صحت سے انکار کیا. یہ سب اپنی جگہ سہی مگر یہ لوگ بتائیں اسلام کی کون سی تعلیمات انسانیت کی فلاح سے متصادم ہیں. کون سے اسلامی قوانین ہیں جن سے بداخلاقی کی بو آتی ہو. اسلام کی تعلیم اور تربیت انسان کو خیر کی طرف لیجاتی ہیں یا بدی جو طرف؟ وہ شراب اور جوے سے اجتناب ہو، وہ سود کی ممانیت

ہو یا کچھ اور سب کا مقصود آپ دیکھ لیں انسان کی بہتری کے علاوہ کیا کچھ اور ہے ؟. اگر یہ سچ ہے تو پھر اللہ اور اسکے رسول کی تعلیمات غلط کیسے ہو گئیں ؟.

گولڈ زیھر کا الزام ہے اسلام نے سب کچھ باہر سے لیا ہے. ایک اور فضول اعتراض اسے یہ ہے کہ کچھ باتیں جو اہل عرب میں پہلے سے چلی آ رہیں تھیں انکو کچھ تبدیلوں کے بعد باقی کیوں رکھا گیا. اسی کی تحریر ملاحضہ کیجیے

"The ritual of Prayer service which began in the form of vigils and recitations that show links to the traditions of Eastern Christianity, as do such accompanying features as genuflection, prostration and preliminary washing. Fasting originally on the 10th day of the first month (in imitation of the of the Jewish day of atonement, Ashura, later during Ramadan, the ninth month of lunar calendar. Pilgrimage to Kaaba ... This last element the Quran retains from pagan cult, but give it a monotheistic turn and reinterprets it in the light of Abrahamic legends. The Christian elements reached Muhammad mostly through the channels of apocryphal traditions, heresies scattered in the eastern church

جب پورے دین اسلام ہی کا یکسر انکار مقصود اور مطلوب ہے تو پھر اس سے بھی آگے جانے میں کیا حرج ہے پیج پندرہ پر وہ لکھتا ہے:

Besides Jews and Christians, Zoroastrians (Majus) also came under Muhammad's observation and the Quran groups Zoroastrians with them rather with the pagans. This religion too did not fail to leave its marks on the receptive mind of the Arab Prophet "pg 15

گولڈ زیھر کا کہنا ہے کہ مجوسی تصورات کے زیر اثر ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی چھٹی سباتھ کو چھٹی کا دن تسلیم نہیں کیا تھا اور اسکی جگہ جمعہ کا دن عبادت کے لئے مقرر کیا اور اسے بھی چھٹی قرار نہیں دیا.

مصنف یقین رکھتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، اسکا کہنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تلوار لیکر آے. اس کے الفاظ اسطرح ہیں:

As Islamic tradition asserts that in the Torah Muhammad is given the epithet

The Prophet of struggle and war "This is a correct assessment of his career

یہاں جو حوالہ تورات میں مسلمانوں کے بارے میں دیا گیا ہے وہ کسی اسلامی کتاب میں نہیں ملتا، اس نے اسکا حوالہ ۱۹۰۲ میں لکھی گئی کسی مستشرق کی کتاب سے دیا ہے جو مشکوک حوالہ ہے. وہ کہتا ہے اسلام کے جنگجوں کا مقصد لوگوں کو مسلمان بنانا نہیں تھا بلکہ فقط انھیں اپنا زیر نگین بنا تھا.

"The warriors of Islam had as their immediate concern the subjugation, rather than conversion of the unbelievers " pg 27

اسکی تحریر سے لئے گئے ان حوالاجات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف گولڈ زیھر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت متعصب ہے. اس کی تحقیق کا اصل مقصد مسلمانوں کے عقائد اور نظریات کی تہہ تک معلومات حاصل کرنا ہے تاکہ انکے بارے میں لوگوں کو اپنے غلط اخذ کردہ نتائج کا ہمنوا بنا کر خاص طور پر مسلمانوں کو گمراہ کرے اور انکو انکے دین سے متنفر کیا جا سکے . ایسی ریسرچ کا بلا شبہ ایک مقصد یہ بھی رہا ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں اور انکے مذہب کے بارے میں علم حاصل کیا جائے جسکو پھر انکو اپنا زیر نگیں اور غلام رکھنے کے لئے استعمال کیا جائے. اس تحقیق کو مسلمانوں کی آزادی اور احیا اسلام کی خاطر اٹھتی تحریکوں کو ختم کرنے کے لئے استعمال کیا جائے. ان میں نئی نظریاتی گروہ بندیاں اور اختلاف پیدا کرنے کے لئے ایسی معلومات کو کام میں لایا جائے. گولڈ زیھر اس کام میں اکیلا نہیں تھا اسکے ساتھ ہمیں اسی دور میں کئی دوسرے نامور محققین کا ذکر بھی ملتا ہے جو اسلام پر ہی ریسرچ کر رہے تھے.

اورینٹل ازم

اورینٹل ازم مغربی محققین کے دنیاکے مشرق میں رہنے والے لوگوں کے معاشرے تہذیب زبان اور ثقافت کے مطالعہ کا نام ہے .اسمیں اہل مغرب جو ترقی یافتہ ہیں وہ ان "دوسروں"کا مطالعہ کرتے

ہیں جو پسماندہ ہیں. ایسا مطالعہ وقت کی ضرورت کے تحت ہوتا ہے جس کا مقصد ان مشرق میں رہنے والے لوگوں کے بارے میں گہرا علم حاصل کرنا ہوتا ہے تاکہ انکی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان پر اپنا تسلط قائم کیا جاسکے اور ان پر اس بالادستی کو برقرار رکھا جاسکے. مغربی مستشرقین نے ایسے ہی مقاصد کے حصول کی خاطر دین اسلام اور عربی زبان اور تاریخ کا مطالعہ کیا.

باس حیینٹی ایک سویڈش اسکالر کا کہنا ہے: تیرویں صدی میں صلیبی جنگوں کے وقت جس مشرقی زبان کی اہل مغرب کو جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی وہ عربی زبان تھی اور بعد میں پندھرویں صدی میں عربی زبان خاص طور پر یورپ کی یونیورسٹیز میں باقاعدہ پڑھائی جانے لگی . پھر اٹھارویں صدی میں جب نوآبادیاتی نظام ایشیا میں پھیل گیا تو دوسری زبانوں کو بھی نصاب میں شامل کرلیا گیا."

اورینٹل ازم کا عروج نوآبادیاتی سامراجی بالادستی کا زمانہ ہے۔. جب سولھویں صدی میں سلطنت عثمانیہ ایران سے لڑنے اور اٹھارویں صدی کے شروع میں یورپ میں شکست کھانے لگی تو برطانیہ نے خلیج عرب کے علاقے میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کردئے تھے. پھر جب نوآبادیاتی نظام کے خلاف مسلمان ممالک میں آزادی کی تحریکوں نے زور پکڑا تو نوآبادیاتی نظام کو قائم رکھنے کے لئے مغربی سامراجی قوتوں کو مستشرقین کی خدمات درکار ہوئیں . مغربی اسکالرز نے اسلام کا مطالعہ اس ضرورت کے پیش نظر بھی کیا کیوں کہ مسلمان ممالک میں اٹھنے والی تحریکوں کی جڑیں دین اسلام میں تھیں لہٰذا مستشرقین نے مسلمانوں کے عقائد کو بنیادوں سے علمی طور پر جاننے کا بیڑا اٹھایا تاکہ ان عقائد پر یقین رکھنے والوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا جاسکے.

جس دین سے مسلمان تقویت حاصل کرتے ہیں اسکو بدنام کیا جائے اور اسے مسلمانوں کی نظروں میں مشکوک بنایا جائے. یہ کام جن مستشرقین نے انجام دیا انکے زمانہ کیٹائم لائن اور کام پر غور کریں تو دین اسلام پر انکی ریسرچ اور احیا اسلام کی تحریکوں کی ٹائمنگ کے درمیان ایک تعلق نظر آتا ہے.

مغرب کے اہل علم کی جانب سے دین اسلام کا مطالعہ سچ معلوم کرنے کی غرض سے نہیں تھا بلکہ وہ یہ کاوشیں اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرکے پیش کرنے کی نیت سے اس لئے کررہے تھے تاکہ اسلامی تحریکوں کے آگے بند باندھا جاسکے .تاکہ جنھوں نے اسلام کی خاطر کام کرنا ہے انہی کی نظر میں انکے دین کو ناقابل اعتبار بنادیا جائے.

ان نام نہاد مغربی اسکالرز نے دین اسلام کی بنیادوں پر وار کئے اور حدیث کے راویوں، جید مسلمانوں یعنی اصحاب رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم، تابعین اور تبع تابعین جیسے اہل تقویٰ اور پاکباز لوگوں کی نیتوں اور مقاصد پر شک کیا اور بغیر ثبوت ظن پر مشتمل اپنی رائے کو فوقیت دی.

ہم دیکھتے ہیں بیسویں صدی میں جب اسلامی تحریکیں اور زیادہ زور سے اٹھیں تو یہ اسلام مخالفت کس طرح اسلام کے خلاف کھلی نظریاتی جنگ میں تبدیل ہو گئی۔ اورینٹل ازم کھلے اسلاموفوبیا میں تبدیل ہو گیا۔ کس طرح وار آن ٹیرر کی بنیاد رکھی گئی اور کیسے ایک ایک کر کے افغانستان عراق شام یمن لبنان اور لیبیا کو تباہ کر دیا گیا۔ بیسویں صدی کے اورینٹلسٹ سیموئیل پی ہنٹنگٹن اور برنارڈ لیوس جیسے یہودی تھے جن کی اسلام مخالف تحریروں نے مسلمانوں کے خلاف نیے ڈاکٹرائن تشکیل دینے اور لاگو کرنے پر مغربی طاقتوں کو مائل کیا جس کا نتیجہ نئی عالمی حقیقتوں کی شکل میں سامنے آ رہا ہے۔

پروفیسر ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں:

The Orient and Islam have a kind of extra real, phenomenologically reduced status that puts them out of reach of everyone except the Western expert. From the beginning of Western speculation about the Orient, the one thing the orient could not do was to represent itself. Evidence of the Orient was credible only after it had passed through and been made firm by the refining fire of the Orientalist work.— Edward W. Said, Orientalism

“Always there lurks the assumption that although the Western consumer belongs to a numerical minority, he is entitled either to own or to expend (or both) the majority of the world resources.

Why? Because he, unlike the Oriental, is a true human being. No better instance exists today of what Anwar Abdel Malek calls“ the hegemonism of possessing minorities ”and anthropocentrism allied with Eurocentrism: a white middle-class Westerner believes it his human prerogative not only to manage the non white world but also to own it, just because by definition“ it ”is not quite as human as“ we ”are. There is no purer example than this dehumanized thought.

—Edward W. Said, Orientalism

“Orientalism is fundamentally a political doctrine willed over the Orient because the Orient was weaker than the West, which elided the Orient’s difference with its weakness[204] ”.

In Introduction to his book Edward Said says By Orientalism I mean several things, all of them, in my opinion, interdependent. The most ‘read daily accepted designation for Orientalism is an academic one, and indeed the label still serves in a number of academic institutions. Anyone who

teaches, writes about, or researches the Orient-and this applies whether the person is an anthropologist, sociologist, historian, or philologist-either in its specific or its general aspects, is an Orientalist, and what he or she does is Orientalism. Compared with Oriental studies or area studies, it is true that the term Orientalism is less preferred by specialists today, both because it is too vague and general and because it connotes the high-handed executive attitude of nineteenth-century and early twentieth-century European colonialism. Nevertheless books are written and congresses held with "the Orient" as their main focus, with the Orientalist in his new or old guise as their main authority. The point is that even if it does not survive as it once did, Orientalism lives on academically through its doctrines and theses about the Orient and the Oriental.

Q&A/Edward Said : Roots of the West's Fear of Islam

By KEN SHULMAN and INTERNATIONAL HERALD TRIBUNE MARCH 11, 1996

Born into a Palestinian Christian family in East Jerusalem in 1935, Edward Said, a professor of comparative literature at Columbia University, has written extensively on Middle East politics. He .spoke recently with Ken Shulman in Percoto, Italy

-Q. Has the West's attitude toward Islam improved since you published" Orientalism "in 1978?

A. I don't think it has improved at all. In fact, it has decidedly worsened. If you look at how Islam is represented today in newspapers and on television, you see that it is still considered a threat, something that must be walled out. The Arab world is depicted as a place full of terrorists and fanatics.

Instead of expanding, the West's comprehension of the Arab world is contracting.

Q. What is the history of this anti-Arab prejudice?

A. The prejudice was created at the same time Islam was born, when Islam was a political and economic threat to Europe. It is no coincidence that Dante places Mohammed in the next to last circle of hell in his Divine Comedy, right next to Satan. In the Renaissance, we have the figure of Shylock, but we also have the figure of Othello.
It wasn't just the Jew who was suspect in Christian Europe. It was also the Arab. The Arab who was indolent, diabolic and dishonest. On one hand, this world of the Orient fascinated the Europeans. On the other, it terrorized them.

https://www.nytimes.com/1996/03/11/news/qa edward-said-roots-of-the-wests-fear-of-islam.html
Said: The sense of Islam as a threatening Other--with Muslims depicted as fanatical, violent, lustful, irrational--develops during the colonial period in what I called Orientalism. The study of the Other has a lot to do with the control and dominance of Europe and the West generally in the Islamic world. And it has persisted because it's based very,

very deeply in religious roots, where Islam is seen as a kind of competitor of Christianity.

by David Barsamian

November 1, 2001

رائیٹر نقاد اور امریکی یونیورسٹی میں استاد حامد دباشی برنارڈ لوئس کی موت پر الجزیرہ کی ۲۸ مئی ۲۰۱۸ کی اشاعت میں لکھتے ہیں جس خلاصہ کچھ یوں ہے

ایک بھیانک انسان کی موت پر اسکے خوفناک کام یاد آرہے ہیں. برنارڈ لیوس کوئی عام بدمعاش نہیں تھا

وہ دنیا میں ہوئی بہت ساری قتل وغارت کا ذمہ دار تھا. وہ ایک بدنام اسلاموفوب تھا جس نے اپنی تمام عمر اسلام کے مطالعہ میں گزاری تاکہ مسلمانوں کو دشمن کے روپ میں پیش کرکے مغرب کی طاقتور فوجی قوت کے سامنے انکو لا کھڑا کرے. ۱۱/۹ کے بعد مسلمانوں کے خلاف فرت کی سیاست کو پروان چڑھانے میں وہ چیف نظریہ ساز تھا. امریکی انتظامیہ میں شامل طاقتور لوگوں کے ساتھ اسکے تعلقات امریکی پالیسیوں پر اثرانداز ہوتے تھے. عراق کو تباہ کرنے کی حکمت عملی طے کرنے میں وہ براہ راست ملوث تھا. لاکھوں مسلمانوں کو پناہ گزین بنانے میں بھی اس شخص کا ہاتھ ہے. مغرب کے آگے مسلمانوں کی وہی تصویر ہے جو برنارڈ لیوس نے انکو دکھلائی ہے. اسی وجہ سے ٹرمپ پوچھتا ہے مسلمان ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ یہ دراصل برنارڈ بول رہا ہوتا ہے. امریکی جرنیل مائکل فلن جب کہتا ہے اسلام کینسر ہے تو یہ برنارڈ بول رہا ہوتا ہے. امریک اور اسرائیل میں طاقتور صیہونی اسلاموفوب برنارڈ کی موت پر اسکی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہیں. جبکہ ہم دوسری طرف فلسطینیوں کے ساتھ کھڑے اسرائیلی گولیوں کا سامنا کر رہے ہیں جن کا دل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت سے لبریز ہے.

کیااحیاءاسلام کی تحریکوں سے مستشرقین کی اسلام پر تحقیق کا کوئی تعلق ہے؟

انیسویں اور بیسویں صدی میں بر پا ہونی والی آزادی اور احیاء اسلام کی تحریکوں کا اوقات زمانہ اور مغرب کے اسلام اور عرب کے ریسرچ اسکالرز کے اوقات زمانہ کے درمیان کیا کوئی لنک ہے ؟ایسا تعلق معلوم کرنے کے لئے تحقیق کرنا بے جا نہ ہو گا. احیا اسلام کی تحریکوں سے خائف مغرب نے انکے سد باب کی غرض سے اسلام اور عرب زبان کے بارے میں تحقیق اور تعلیم کی طرف توجہ دی تو مستشریقین کے مقاصد صاف سامنے آجاتے ہیں . انکا مقصد اسلام کو دوبارہ ابھرنے سے روکنا ہے ، یہی وجہ ہے ایک خاص زمانہ میں دھڑا دھڑ مغرب کی یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم اور عربی زبان کے شعبے قائم ہوے . مسلمانوں کی سیاست ، معاشرت ،رسم و رواج اور ثقافت میں اسلام کا بنیادی کردار ہے لہٰذا مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے اسلام کو نشانہ بنانا ضروری جانا گیا.

آزادی کی ابھرنے والی تحریکوں میں بھی اسلام کے زیر اثر تھیں ،اسکی مثال ہندوستان میں ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں ملے گی جس میں مسلمان پیش پیش تھے. اسی

طرح سید احمد شہید (١٧٨٦-١٨٣١) کی تحریک ہے. اسی طرح ایران میں (١٨١٥-١٨٩٤) مرزا حسن شیرازی کی تحریک میں مذہبی رنگ تھا. پھر شیخ فضل اللہ نوری ١٨٤٣-١٩٠٩ کی تحریک یا وسطی ایشیا میں امام شامل کی تحریک ہو یا الجزائر میں امیر عبدلقادر ١٨٠٨-١٨٨٣ کی تحریک ہو سوڈان میں مہدی ١٨٨٥ اسی طرح لیبیا میں عمر مختار ١٨٥٨-١٩٣١ اور مصر میں اخوان المسلمون غرض ہر آزادی کی تحریک احیاء اسلام کے زیر اثر تھی . ان سب تحریکوں سے نوآبادیات قائم کرنے والی مغربی طاقتیں خوفزدہ تھیں. ان تحریکوں کو کچلنے کے لئے مقامی لوگوں کے طرز بود و باش اور انکے نظریات کو جاننے کی ضرورت تھی تاکہ انکی کمزوریاں جان کر ان تحریکوں کو انکے مقاصد میں ناکام کیا جاسکے انہی وجوہات کی بناپر اسی زمانہ میں اسلام اور مشرقی علوم پر تحقیق کا آغاز ہوا اور جو لٹریچر انہوں نے پیدا کیا وہ دین اسلام کے بارے میں بغض وعناد سے بھرا ہوا تھا. یہ کسی بھی طرح کسی صاحب تجسس کی سچ معلوم کرنے کی مخلصانہ کوشش نہیں تھی .

گولڈزیھر (١٨٥٠-١٩٢١) سے پہلے گستاف وئیل ١٨٠٨-١٨٨٩ نے حدیث پر کام کیا اور اسلام پر دیگر کتابیں لکھیں. الاے سپرنگر ١٨١٣-١٨٩٣ نے اسلام پر کتابیں لکھیں پھر ولیم میور نے ١٨١٩-١٩٠٥ نے اپنی مشہور تصنیف لائف آف محمدؐ لکھی. رائنہارٹ ڈوزی ١٨٢٠-١٨٨٣ نے حدیث پر کام کیا. ڈچ محقق سنوک ہر گرنجی ١٨٥٧-١٩٣٦ نے حدیث پر کام کیا. پھر بیلجیم کے ہنری لامنس کا نام ہے جو ١٨٦٢- ١٩٣٧ کے دور میں تھا. ہمیں ڈیوڈ سیموئیل مارگولیتھ کا نام ملتا ہے جو ١٨٥٨-١٩٤٠ کا زمانہ ہے ایک اور نہایت اہم نام تھیوڈور نولڈیک ١٨٣٦- ١٩٣٠ کا بھی ہے جس کا قران اور حدیث پر کام ہے. اوقات کار کے اس تقابلی جائزے سے مستشرقین کے کام اور اسلامی احیاء کی

تحریکوں میں ایک تعلق نظر آتا ہے . ان سب محققین کے کام میں ایک بات مشترک ہے وہ ہے دین اسلام اور دین اسلام کے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بغض وعناد.

مغرب میں اسلام پر ریسرچ کرنے والے اسکالرز کے تحقیقی کام اور اس وقت کی زور پکڑتی اسلامی تحریکوں میں ربط کا کوئی ثبوت ؟جی ہاں بلکل ہے ، یہ جاننے کے لئے چند مستشرقین کی سر گرمیوں کا جائزہ پیش ہے.

١ . کرسچن سنوک ہر گرنجی

اسکا تعلق ہالینڈ سے تھا، یہ آٹھ فروری ١٨٥٧ کو ایک کٹر عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا ، اسکا باپ ایک عیسائی مشنری تھا.اس کے باپ کو شادی شدہ ہونے کے باوجود ایک دوسری عورت سے تعلقات رکھنے کی بنا پر اس چرچ سے خارج کردیا گیا تھا جس کے ساتھ وہ کام کرتا تھا. اپنی پہلی بیوی کے فوت ہونے کے بعد اسکے باپ نے پھر اسی عورت سے شادی کرلی جس کے ساتھ اسکے مراسم تھے. اسی میں سے سنوک ہر گرنجی پیدا ہوا. اسکی ماں ماریا کا دادا ایک مشہور عیسائی مبلغ تھا جس نے اپنے مشن کو پورا کرنے کی خاطر مالی ضرورت پوری کرنے کے لئے ١٨٢٤ میں اسلام پر ایک کتاب لکھی تھی.

سنوک ہر گرنجی نے ١٨٨٠ میں عربی اور اسلامی علوم میں گریجویٹ کیا اپنی پی ایچ ڈی کی ڈگری مکمل کرنے کے لئے اس نے اپنا مقالہ حج پر لکھا. پھر یہ جرمنی چلا گیا جہاں پر مشہور محقق تھیوڈور نولڈک کے ساتھ م ملکر یہ اسلام پر ریسرچ کرتا رہا. یہ محقق گولڈ زیھر کا بھی دوست تھا. ان تینوں کے درمیان جو تبادلہ خطوط ہے اسکو تاریخی حیثیت ہے اور اسکا برا حصّہ لیڈن یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے . گولڈ زیھر اور سنوک ہر گرنجی کے درمیان ٤٤٨ خطوط کا ریکارڈ موجود ہے اسی طرح

سنوک ہر گرنجی اور نولڈک کے درمیان جو تبادلہ خیال بزریعہ خط و کتابت ہوا اسکا بھی ریکارڈ موجود ہے. کاش کسی مسلمان محقق کو ان تک رسائی کی ضرورت محسوس ہوتی.

سنوک ہر گرنجی کو ۱۸۸٤ میں جدّہ میں واقع ہالینڈ کے کونسل جنرل سے جدہ آنے کا دعوت نامہ وصول ہوتا ہے اور اسکو وہاں بھیجوانے کے لئے ہالینڈ کی حکومت رقم بطور گرانٹ فراہم کرتی ہے .

جدہ میں ہالینڈ کا سفارت خانہ سنوک ہر گرنجی کو مکّہ میں داخل کرنا چاہتا تھا. وہ چاہتے تھے کہ انڈونیشیا میں جس خانہ جنگی کا انکو مسلمانوں کی طرف سے سامنا ہے وہ پتا لگائیں انڈونیشیا کے حاجی کیونکر مکّہ سے ریڈیکلائز ہو کر آتے ہیں. مشکل یہ تھی کہ وہاں صرف مسلمان ہی جا سکتے تھے . لہذا سنوک کو کچھ عرصہ کے لئے جدہ میں ایک صاحب حیثیت انڈونیشین مسلم روڈن حاجی ابو بکر کے گھر میں رکھا گیا. یہاں سنوک نے مشہور کیا کہ وہ اسلام قبول کر رہا ہے. پھر پانچ جنوری ۱۸۸۸ کو اس نے اپنے ختنے کروائے . ۱٦ جنوری کو جدہ کے قاضی کے ہاتھ پر گواہوں کی موجودگی میں اسلام قبول کیا. اب وہ عبد الغفار بن چکا تھا. حجاز کے گورنر نے اس سے ملاقات کی اور اس کو مکّہ چلنے کی دعوت دی، اسی کا تو اسکو انتظار تھا لہذا اس نے یہ دعوت فوراً قبول کر لی.

جس دن اس نے اسلام قبول کیا اسی دن اس نے گولڈ زیھر کو خط لکھا اور بتایا کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا یہ سب کچھ ایک فریب ہے اور اس نے ایسا مکّہ میں داخل ہونے کی خاطر کیا ہے . اپنے دوستوں کو اس نے منع کر دیا کہ وہ اسکو اسکے اصل نام سے خط نہ لکھیں بلکہ عبد الغفار کے نام سے لکھیں. اسکی اس بد دیانتی میں مغرب کے گولدزھر جیسے "عظیم" اسلام کے ماہر بھی شریک تھے جو پھر اسکو عبد الغفار ہی کے نام سے خط لکھتے رہے. اس نے مکّہ میں وہاں کے علماء کی مجلسوں میں شریک ہونا شروع کر دیا. پھر ہوا یوں کہ فرانس کے سفارت خانے نے یہ افوا پھیلا دی کہ در اصل سنوک نوردات چور ہے.

اس صورت حال میں جبکہ اسکو وہاں قیام کئے ساڑھے پانچ مہینے ہوے تھے اور حج قریب تھا اسکو وہاں سے فرار ہونا پڑا. وہ ہالینڈ واپس آگیا اور یہاں آکر اسنے اپنی کتاب مکّہ شائع کی جس کو مغرب میں خوب پزیرائی حاصل ہوئی. اب سنوک ایک ماہر اسلامی علوم کے طور پر جانا جانے لگا تھا. تاریخ بحر حال مکّہ میں ایک جاسوس کی حیثیت میں اسکے کام کو نظر انداز نہیں کرتی جہاں اسکا کام انڈونیشیا سے آنے والے حاجیوں کی سر گرمیوں پر نظر رکھنا تھا.

واپس یورپ آنے پر اور کتاب لکھنے کے بعد لیڈن اور آکسفورڈ یونیورسٹی کی جانب سے اسکو عربی کے استاد کی حیثیت سے ملازمت کی پیشکش ہوئیں مگر اس نے انکو قبول نہیں کیا.

یکم اپریل ۱۸۸۹ کو پروفیسر سنوک، عبدالغفار کے روپ میں انڈونیشیا روانہ ہو گیا. انڈونیشیا پہنچ کر مقامی مسلمانوں میں یہ اٹھا بیٹھا اور انکو اپنا مسلمان والا رخ پیش کیا. مگر وہاں کی انتظامیہ

سے ملکر انہی کی جڑیں کاٹتا رہا. اسنے انڈونیشیا کے تمام بڑے شہر گھومے پھرے، ۱۲ نومبر ۱۸۸۹ کے اپنے ایک خط میں اس نے پروفیسر نولڈک کو بتایا کہ اب تک وہ ۲۶ شہر پھر چکا ہے.

۱۵ جولائی ۱۸۹۱ سے اسنے سماٹرا کے شہر آچے میں قیام کیا، یہ وہی شہر ہے جہاں حالیہ کچھ سال پہلے سونامی بھی آئ تھی. آچے میں سنوک نے وہاں مسلمانوں کو دی جانے والی اسلامی تعلیم کا جائزہ لیا، لوگوں کی سوچ کو پڑھا ان کی زبان سیکھی اور وہاں کے سیاسی حالات، مذہب، ثقافت، اور زبان پر دو کتابیں تحریر کیں.

اسکے بعد سنوک نے ڈچ کی مقامی نو آبادیاتی حکومت کے مشیر کے طور پر کام کیا. اس نے آچے میں اسلامی احیا اور آزادی کی تحریک کو کچلنے میں کلیدی کردار ادا کیا. اس نے اسلام اور وہاں کے مسلمانوں کے بارے میں اپنی معلومات کو وہاں کے مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا. اس نے مسلمان ہونے کی وجہ سے جو اعتماد اور احترام مقامی لوگوں میں اسکو حاصل تھا اسکا

فائدہ اٹھاتے ہوے انکے علماء کو چن چن کر قتل کروایا. اس آدمی کے مشورہ پر ڈچ فوجوں نے گاؤں کے گاؤں قتل عام سے خالی کر دیے، حتی کہ وہاں پر عورتوں اور بچوں تک کو نہیں چھوڑا گیا. سنوک خود فوجوں کی ہمراہ بھی جاتا رہا. اس سول وار میں پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک لوگ شہید ہوے زخمیوں کی تعداد دس لاکھ بتائی جاتی ہے. یہ جنگ جو تیس سال سے جاری تھی سنوک کی حکمت عملی سے مسلمانوں کی شکست پر ختم ہوئی.

آچے کی بغاوت پر سنوک نے اپنی حکومت کو ایک ہزار صفحہ کی رپورٹ پیش کی. اسکا کہنا تھا بغاوت کے پیچھے وہاں کے سلطان کا نہیں وہاں کے علماء کا ہاتھ تھا اس نے حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ سلطان کو رشوت دے اور اس کے ہاتھوں مسلمان علماء کا صفایا کروادے. اس نے حج پر انڈونیشیا کے مسلمانوں کو نہ بھیجنے کی سفارش بھی کی. اسکا کہنا تھا کہ وہاں کے علماء کو پابند کیا جائے کہ وہ آگے سے جہاد کی بات نہیں کریں گئے اور خود کو مسلمانوں کی رسم ورواج کی ادائیگی تک محدود رکھیں گئے. صاف ظاہر ہے ان مغربی محققین کی خدمات نوآبادیاتی نظام کو دوام دینے تک محدود نہ تھیں بلکہ انکا کام اس سے کہیں زیادہ گہرا تھا، دین اسلام کو بدنام کرنا، اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے ایمان اور یقین کو متزلزل کرنے والے تصورات پیدا کرنا اور دین سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹنا، مسلمانوں میں ایک ایسا آزاد خیال طبقہ پیدا کرنا جو پھر اسلام کی کوئی جدید شکل ایجاد کرے جو لبرل ازم کے قریب ہو اور دنیا کے گلوبل سسٹم کے لئے خطرہ نہ بن سکے. یہ کام آج بھی جاری ہے.

۱۹۰۶ میں ہالینڈ واپس آکر سنوک دوبارہ سے لیڈن یونیورسٹی میں پروفیسر شپ کے عھدے پر فائز ہو گیا.

پروفیسر سنوک کا خیال ہے، اگر اسلام سیاسی بالادستی اور غلبہ کی بات نہ کرے تو ہمیں اس کی باقی کی سرگرمیوں پر کوئی اعتراض نہیں. اسکا کہنا ہے مسلمانوں کی بنیادی مشکل یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں وہ صدیوں پرانا نظام پھر سے لے آئیں گے. مسلمان سمجھتے ہیں نظام خلافت

میں شریعت کے نفاد میں انکے تمام مسائل کا حل ہے. گولڈ زیھر کے نام اپنے ایک خط میں بھی اسنے اسکو اسلام کے سیاسی اثر رسوخ حاصل کرنے کے بارے میں اپنے حدشات اور پریشانی سے آگاہ کیا ہے. اسکا خیال ہے ہمیں اسلام کی تعلیمات کو بدل کر اسکو عیسایت سے قریب تر لانا ہو گا. یہ مسلہ کا حل ہے.

وہ مسلمانوں کے "ذہنی انضمام" کا حامی ہے جہاں وہ باقی باہر کے نظریات کو قبول کر لیں. اسکا کہنا ہے مسلمانوں کی جہاد، اسلامی خلافت اور شریعت کی باتوں کو سختی سے کچل دینا چاہیے.

جب تک مسلمانوں کے علماء انکو جہاد کی تعلیم دیتے رھیں گے ہمیں خطرہ رہے گا، بہتر ہے کہ یہ اسکو خیر باد کہہ کر دوسرے مذھب کے قریب آئیں اور امام مہدی کے آنے کے انتظار والا نظریہ اختیار کر لیں. سنوک کا مشورہ ہے مغربی طاقتوں کو اسلام کی بالادستی کے آخری سیاسی گڑھ کو بھی طاقت سے اپنے کنڑول میں کر لینا چاہیے .

یہ تاریخی واقعیات ہیں ان مغربی اسکالرز کے جنکو ہمارا پڑھا لکھا طبقہ بڑے شوق سے پڑھتا ہے اور انکو اسلام پر اتھارٹی خیال کرتا ہے اور انکی دلیلوں کے حوالے دیکر اسلام پر اعتراض اور الزام تراشی کرتا ہے، سچی بات ہے لاعلمی سے کم علمی زیادہ خطرناک ہے.

۲. ارمینیس ویمبری یا رشید آفندی درویش

ارمینیس ومبری علم حدیث پر اعتراضات کرنے والے مشہور محقق اور اورینٹلسٹ گولڈ زیھر کے مربی اور استاد تھے جس سے اس نے ترکی زبان کی تعلیم بھی حاصل کی تھی . ارمینیس ویمبری ہی کی نظر کرم کی وجہ سے اس وقت کے مغربی اہل علم میں گولڈ زیھر متعارف ہوا. ارمینیس ویمبری کے گولدزھر پر کافی احسانات بیان کئے گئے ہیں. ارمینیس ویمبری ۱۸۳۲ کی پیدائش ہنگری کے ایک شہر میں ہوئی. شروع تعلیم یہودی

اسکول میں ہوئی. پولیو کی وجہ سے اسکی ایک ٹانگ بچپن ہی سے خراب تھی جس کی وجہ سے یہ لنگڑا کر چلتا تھا. اس نے ترکی زبان میں مہارت حاصل کی اور ترکی زبان کے ۲۰ طرز بیان سے واقف تھا. جس طرح گولڈ زیھر حکومت ہنگری کی مدد سے مشرق وسطی گیا تھا اسی طرح ارمینیس ومبری کو بھی ہنگری کی حکومت نے ترکی بھیجنے کے لئے ہزار فلورن دیے تھے.

ترکی جانے سے قبل ویمبری نے قران کریم کا مطالہ کیا اور مسلمانوں کے رسم ورواج سے واقفیت حاصل کی. موجودہ شہر استنبول پہنچ کر اس نے ٹیوٹر کے طور پر پڑھانا شروع کردیا. وہ فواد پاشا کا سیکرٹری بن گیا اور جلد ہی اس نے ترک سلطان عبدالحمید تک رسائی حاصل کرلی. اس نے اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کرنے کی خاطر ترک سلطان اور انٹرنشنل یہودی تنظیم کے سربراہ کے درمیان ملاقات بھی کروائی مگر سلطان کے راضی نہ ہونے کی وجہ سے یہ مزاکرات آگے نہ بڑھ سکے. برطانیہ کے شاہی خاندان سے اور برطانوی سیاست دانوں سے اسکے دوستانہ مراسم تھے. کہا جاتاہے اٹھارہ سو بیاسی میں مصر پر قبضہ سے پہلے برطانوی حکومت نے وامبری سے مشورہ کیا تھا. اسکے آرتھر بالفور کے ساتھ بھی مراسم تھے جس نے اسرائیلی ریاست کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا تھا.

ترکی میں ویمبری نے اپنا نام بدل کر رشید آفندی درویش رکھا اور ایشیا وسط کی طرف روانہ ہو گیا. یہ مسلمان کے بھیس میں کئی اسلامی ریاستوں میں گھومتا رہا اور انکے بارے میں معلومات اکھٹی کرتا رہا. . یہ افغانستان تک گیا اور پھر ایران کے راستے واپس یورپ پہنچا . برطانوی حکومت کی جانب سے ۲۰۰۵ میں جاری شدہ ایک ڈی کلاسیفائیڈ دستاویز سے بتا چلا کہ ومبری دراصل برطانوی جاسوس تھا جو ترکی حکومت کی کمزوریوں سے برطانیہ کو آگاہ کیا کرتا تھا اور برطانیہ کا تنخواد ار تھا. اس نے وسطی ایشیا کا طویل سفر بھی اسی غرض سے کیا تھا. اس سفر میں اس نے تین برس صرف کئے

اور لنگڑا ہونے کے باوجود کئی دفعہ طویل سفر پیدل بھی کیا. واپس لندن آکر ۱۸٦۵ میں اس نے وسطی ایشیا پر اپنا سفر نامہ انگریزی اور ہنگیرین زبانوں میں شائع کیا. اب اسکا شہرہ علمی حلقوں میں خوب ہو گیا، ڈگری نہ ہونے کے باوجود اسلامی امور کا ماہر ہونے کی وجہ سے اسکو بڈابیسٹ یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں کا پروفیسر تعینات کر دیا گیا.

اسرائیلی رسالہ ہارٹیز اپنی حالیہ اشاعت میں لکھتا ہے، ویمبری کو یہودی مفادات عزیز تھے. تھیوڈور ہرزل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے انکل ومبری نے اسکی ملاقات ترکی کے سلطان سے کروائی تھی. کہا جاتا ہے اس کے مراسم عبدل بہااللہ سے بھی تھے اور اس نے بہائی مذھب اختیار کر لیا تھا بہائی مذہب دراصل یہودیوں ہی کی اختراع ہے اور سب سے پہلے اسکی حمایت انہوں نے ہی کی تھی . ویمبری کی وفات ۱۹۱۳ کو ہوئی اسکی آخری رسوم پروٹسٹنٹ عیسائی عقیدے کے مطابق ادا کی گیں .

ولیم میور

۳. ولیم میور مشهور مغربی مشترق ہے جو اسلامی علوم اور عربی زبان کا ماہر مانا جاتا ہے . یہ اپریل ۱۸۱۹ کو اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا اور اسکی وفات جولائی ۱۹۰۵ کو ہوئی .

لائف آف محمّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَم نامی کتاب جو چار جلدوں میں ہے اسکی مشہور تصنیف ہے. خلافت کے عروج وزوال پر بھی اس نے کتاب لکھی -اور بھی اسکی بہت سی اسلام پر کتابیں ہیں.

دکھ کی بات ہے سر سید احمد خان کے کسی دوست نے اپنی کتاب میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَم پر سخت تنقید کی ہے. اسکی کتاب پڑھنے کے بعد سر سید کا تبصرہ تھا کہ اس کتاب نے اس کے دل کو جلا کر رکھ دیا ہے.

سر سید کی دینی امور پر اس سے خط و کتابت بھی ہوئی. ولیم میور نے نعوذ باللہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو شیطان کے زیر اثر بتلایا ہے. اس نے مسلمانوں کو یہ بتلانے کی کوشش کی کہ محمدؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو لوگوں کی وفاداری کے حقدار نہیں. اسکا خیال تھا مسلمان تہذیب جمود کا شکار ہو چکی ہے اور اب اس میں کسی قسم کی ریفارمز ممکن نہیں. اسکا یہ بھی کہنا ہے کہ محمدؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تلوار اور قران انسانی تہذیب، آزادی اور سچائی کے سب سے بڑے دشمن ہیں. بیشتر نقادوں نے اسکی اس کتاب کو اسلام دشمنی پر مبنی قرار دیا ہے. شہرہ آفاق نقاد پروفیسر ایڈورڈ سعید کا کہنا ہے اسکی کتاب مشرق اسلام اور عربوں کے ساتھ نفرت پر مبنی ہے.

ولیم میور ۱۸۳۷ میں انڈیا آیا اور اس نے بنگال سول سروس جوائن کی. اس نے نارتھ ویسٹ پراونس کے گورنر کے سیکرٹری کے طور پر کام کیا. ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے زمانہ میں آگرہ میں تعینات تھا اور برطانیہ کے محکمہ سراغ رسانی کا انچارج تھا. آگرہ ہی میں بہت سے گوروں نے پناہ لے رکھی تھی. اس نے یہاں لاہور کے بشپ کو بھی اپنے گھر میں پناہ دی. ولیم میور اس بغاوت کا ذمہ دار مسلمانوں کو سمجھتا تھا. اسکا خیال تھا مسلمانوں نے دیوالیہ پن میں ہماری حکومت کے خلاف بغاوت کی ہے. وہ کہتا ہے اس بغاوت کے دوران ایسے لگتا تھا جیسے مسلمانوں کے پہلے خلیفہ کا دور واپس آگیا ہے

وہ آگے لکھتا ہے جو مسلمان ہمارے خلاف لڑ رہے تھے ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا تھا. یہی وہ زمانہ تھا جب وہ اپنی کتاب لائف آف محمدؐ کی پہلی جلد مکمل کر رہا تھا. اس نے یورپ سے عیسائی مشنری بلوا کر مسلمان علماء کے ساتھ انکے مناظرے بھی کروائے اور پہلے مناظرہ کا حال اپنی ایک تحریر میں خود قلم بند بھی کیا. ولیم میور خود بھی ایسے مناظروں میں جاتا اور مناظر کو سنتا تھا.

۱۸۶۵ میں ولیم میور حکومت ہند کا فارن سیکرٹری مقرر ہوا ۱۸۶۷ میں اسکو تاج برطانیہ کی طرف سے نائٹ کا منصب عطا ہوا اور سر کا خطاب ملا ..۱۸۶۸ میں نارتھ ویسٹ پراونس کا لفٹیننٹ گورنر بن گیا. ولیم میور نے اب انگریزی تعلیم کو عام کرنے پر کام کیا. سر سید سے اسکی دوستی تھی اس نے ایم اے او کالج علی گڑھ کا دورہ بھی کیا. اسی نے میور کالج کی بنیاد رکھی جو بعد میں الہ آباد یونیورسٹی میں ضم کردیا گیا .ولیم میور ۱۸۷۶ میں ریٹائر ہوا .

ان تاریخی واقعیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مغربی اسکالرز تحقیقی کام کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی مسلمانوں کے خلاف کاروائیوں میں شریک رہے ہیں. ثابت ہوا کہ انکے تحقیقی کام اور احیا اسلام کی تحریکوں کو روکنے کے درمیان ایک ربط ہے.

ان مغربی محققین نے اپنی ریسرچ میں اس فرق کو بھی محسوس کیا جو قرون اولی کے مسلمانوں کے کردار اور انکے اپنے دور کے مسلمانوں کے درمیان تھا. غیر مسلم محققین نے مسلمانوں کے اسلاف کے مضبوط کردار کا موازنہ اپنے دور کے مسلمانوں سے کیا اور حالیہ دور کے مسلمانوں کی کمزوریوں کو سمجھا ان سے فائدہ اٹھایا، اور اسکو کو اپنے حق میں استعمال کرنے میں اپنے ارباب اختیار کی مدد کی. انہوں نے مسلمانوں کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنی تجاویز پیش کیں اور ان پر عمل پیرا کروانے میں عملی حصّہ بھی لیا.

الویز سپرنگر

٤. یہ ایک اور اورینٹلیسٹ ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، الویز سپرنگر، یہ آسٹریا کے ایک شہر میں ستمبر ۱۸۱۳ میں پیدا ہوا اور اس کا انتقال ۱۸۹۳ میں جرمنی کے شہر ہائیڈل برگ میں ہوا

اسنے ویانا یونیورسٹی سے مشرقی لسانیات میں ڈگری حاصل کی اور ۱۹۳۶ میں لندن منتقل ہو گیا. یہاں اس نے ارل منسٹر کے ساتھ ملکر

History of military sciences among the " Muslim people" پر تحقیقی کام کیا. مقالہ کے عنوان ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہ کیا تلاش کررہے تھے اور کیوں تلاش کررہے تھے.

۱۸۴۳ میں وہ انڈیا آگیا اور کلکتہ میں دہلی کالج کا پرنسپل تعینات ہو گیا. یہاں اس نے بہت سی انگلش نصابی کتابوں کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں کیا. ۱۸۴۸ میں اسکو لکھنؤ بھیج دیا گیا. ۱۸۵۰ میں یہ اشیٹک سوسائٹی کلکتہ کا سیکرٹری نامزد ہوا اور اس نے اپنا کافی کام شائع کیا جس میں ابن حجر کی کتاب کا ترجمہ "بیو گرافیکل ڈکشنری آپ پیپل ہو کنیو محمدؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ" شائع کیا.

۱۸۵۷ میں یہ برن یونیورسٹی میں مشرقی لسانیت کا پروفیسر تعینات ہوا. اس دوران اس نے نادر عربی ایرانی اور ہندی علمی مسودات بھی جمع کئے جو بعد میں برلن کی سرکاری لائبریری کی زینت بن گے.

سپرنگر نے دہلی کالج کے دوران جو شاگرد بنائے ان سے بعد میں بھی اس نے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ رکھا. سر سید احمد خان کے ساتھی مولوی چراغ علی کے نام اپنے ایک خط میں اس نے اپنے رومن کتھولک عیسائی ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور وہ آخری دم تک ایک کٹر رومن کتھولک عیسائی رہا. اس کی کتاب دی لائف آف محمدؐ آلہ آباد سے شائع ہوئی. اس نے حدیث پر سخت

اعتراضات کیے ہیں. احادیث کے بارے میں اسی کے نظریات کو پھر گولڈ زیھر نے بھی آگے بڑھایا. اس نے اپنے انڈیا میں قیام کے دوران کہا جاتا ہے اردو کے لئے کافی کام کیا مگر یہ ایک الگ موضوع ہے. یہاں تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں اسلام کے بارے میں ان مغربی محققین کا

کیا رویہ تھا اور وہ کن وجوہات کے زیر اثر تھا. ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے برصغیر میں انکے دوستوں نے جوان سے متاثر تھے احادیث سے انکار کی بنیاد رکھی.

۵. اوریئنٹلسٹ میں ایک معتبر نام جرمن مستشرق گستاف وئیل کا ہے (۱۸۰۸-۱۸۸۹) اس نے عربی زبان کا مطالعہ کیا، اپنی گزر اوقات اسسٹنٹ لائبریرین کے طور پر ملازمت سے شروع کی اور پھر ۱۸۳۸ ـ ۱۸۶۱ بطور لائبریرین کام کیا اس دوران اس نے پانچ جلدوں میں اپنی کتاب اے لائف آف محمدؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شائع کی. یہ ایک مشہور محقق تھا جس کی کتابوں سے پھر دوسروں نے حوالے دئے ہیں. اس نے قران کریم کا ترجمہ بھی کیا. اسلام پر تحقیقی کام کے ساتھ یہ موصوف ۱۸۳۰ میں الجزائر میں فرانسیسی مہم میں انکی فوجوں کے ساتھ تھے اور بظاہر ایک اخباری نمائندہ کے کام کر رہے تھے.

۱۸۳۱ میں اسے قاہرہ میں ایک میڈیکل اسکول میں فرنچ کا استاد لگا دیا گیا. جہاں اس نے ۱۸۳۵ تک کام کیا . ۱۸۴۵ میں فلورنس اٹلی میں ہونے والی ایک مذہبی کانفرنس میں اس نے اپنا ایک مقالہ پیش کیا جس میں اسکا کہنا تھا کہ اسلام یہودیت کے زیر اثر ایک مذہب ہے.

جوزف ساخت

جوزف ساخت نے اپنے سے پہلے معاصرین کے کمزور اور نامکمل کام کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا. پہلے اس نے اپنے استاد گوتھلف بیرگسٹر سر کی اسلامی قانون پر کتاب مکمل کی. پھر اس نے حدیث کی تحقیق میں جو کمی گولڈ زیھر کے کام میں باقی رہ گئی تھی اسکو پورا کرنے کی خاطر، حدیث کی اسناد اور اوقات زمانہ کے حوالے سے اپنے اعتراضات کے ساتھ کتاب شائع کی.

ساخت مارچ ۱۹۰۲ میں پولینڈ میں ایک کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا ابتدائی تعلیم ایک یہودی ربائی

کی سرپرستی میں حاصل کی. یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۲۹ میں فل پروفیسر تعینات ہوا. اس نے ۱۹۲۶ سے ۱۹۳۳ تک مشرق وسطی اور شمالی افریقا کا سفر کیا. ۱۹۳۰ میں مصر میں وزٹنگ پروفیسر کے طور پر پڑھایا. جنگ عظیم دوم میں وہ برطانیہ منتقل ہو گیا اور جنگ کے دوران بی بی سی کے لئے کام کیا. ۱۹۴۷ میں اس نے برطانیہ کی شہریت حاصل کر لی.

۱۹۴۶ میں یہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں لیکچرر تعینات ہوا اس دوران اس نے بیرونی ممالک کے سفر بھی کئے. ۱۹۵۲ میں الجزائر کی یونیورسٹی میں بھی بطور وزٹنگ پروفیسر پڑھایا. ۱۹۵٤ میں لیڈن یونیورسٹی میں عربی پڑھانے پر مامور ہوا پھر ۱۹۵۹ میں امریکا چلا آیا اور یہاں کولمبیا یونیورسٹی میں اسلامی علوم کا پروفیسر تعینات ہوا. اس کی وفات ۱۹۶۹ اگست کو نیو جرسی میں ہوئی .

جوزف ساخت نے تاریخ اور سوشیالوجی کے تناظر میں فقہ اسلامی کو اپنی تحقیق کا محور بنایا . اپنے کام میں سب سے پہلے اس نے سنّت کو ہدف تنقید بنایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اہل مدینہ سنّت رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی بجائے رائج الوقت روایت پر چلتے تھے. اس نے اسکولیو نگ ٹرادیشنز کا نام دیا. اس کو یہ سنّت کہتا ہے. وہ سنّت کے معنی اسلام سے پہلے کے رائج لغوی معانی میں بیان کرتا ہے جبکہ مسلمان اسلام آنے کے بعد سنّت سے مراد نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی سنّت ہی لیتے ہیں . دوم احادیث کی اسناد اور اوقات کار کے حوالے سے اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ ضرورت کے تحت دوسری صدی کے پہلے نصف میں سامنے آتی ہیں لہٰذا پہلے انکا وجود نہیں تھا. تیسرا اس کا یہ کہنا ہے کہ اسناد میں راوی کا جو درمیانی لنک ہے وہ مشکوک ہے.

اس نے اپنی کتاب میں اسلامی فقہ اور احادیث کے ضمن میں مدنی کوفی مکی اور شامی مکاتب فکر کے درمیان مختلف اسلامی قوانین کو لیکر جو اختلاف رائے پایا جاتا تھا اسکو جواز قرار دیکر ان مکاتب فکر کی طرف سے اپنے اپنے موقف کے حق میں احادیث گھڑنے کی بات کی ہے. یعنی پہلے تو ساخت یہ ماننے کو تیار نہیں کہ قران اور حدیث اسلامی قوانین کا ماخذ ہیں پھر اس پر اسکا یہ کہنا کہ دوسری صدی میں جاکر قوانین پہلے بنے اور انکو تقویت دینے کی خاطر احادیث گھڑیں گئیں .اسکا یہ بھی کہنا ہے کہ قوانین تو بنوامیہ کے دور حکومت میں بنے تھے اور فقہ تو اصل میں اموی دور میں رواج پانے والے قوانین تھے. یا وہ فقہ ان زندہ روایت کو کہتا ہے جو مدینہ میں مروج تھے اور اسی کو وہ سنت کہتا ہے.

قرآن کریم نے تو ساخت سے کئی صدیاں پہلے اللہ تعالی کا یہ اعلان بیان فرما دیا تھا کہ یہ اصول اور قانون کی کتاب ہے جس کے مطابق فیصلے کرنا ہونگے

إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَـٰبَ بِٱلۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُۚ وَلَا تَكُن لِّلۡخَآئِنِينَ خَصِيمً۬ا (١٠٥)سُوۡرَةُ النِّسَاء

بے شک ہم نے تیری طرف سچی کتاب اتاری ہے تاکہ تو لوگوں میں انصاف کرے جو کچھ تمہیں اللہ سجھادے اور تو بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والا نہ ہو

جوزف ساخت کی اس گمراہ کن تحقیق کا جواب علماء نے دیا ہے انمیں محمد مصطفی عازامی نے اپنی کتاب آن ساخت اور یجن آف محمدن جیورسپروڈنس میں ایک ایک نکتہ کا شق وار صراحت سے جواب دیا ہے

اور بتایا ہے کہ کس طرح ساخت نے عربی عبارت کا غلط مفہوم پیش کیا ہے اور کس طرح بات کو سیاق وسباق سے الگ کر کے پیش کیا ہے.

جوزف ساخت کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی عمارت جن نظریاتی بنیادوں پر قائم ہے انھیں منہدم کر دیا جائے. وہ اور اس دور کے دوسرے مغربی محققین اس جستجو میں تھے

کہ ثابت کریں کہ روز اول ہی سے مسلمان عرب دین اسلام کی تعلیمات پر نہیں چلے پھر یہ ثابت کریں کہ جن قوانین کو مسلمان مانتے ہیں وہ تو بعد کے دور کی پیداوار ہیں، لہذا کون سا اسلام اور کون سی سنّت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم؟ یوں اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے ساتھ مسلمانوں کو جو تعلق ہے, جو نسبت ہے جو محبت ہے اور اس سے جو ایمان میں حرارت ہے اس سے انکو محروم کر دیا جائے. مسلمانوں کو اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی کہی ہوئی باتوں اور احکامات کے بارے میں لا علم رکھا جائے اور جو کچھ معلوم ہے اسکے بارے میں انکے ذہنوں میں شک ڈال دیا جائے. اس کام کا بیڑا ایک مخصوص زمانے میں یعنی انیسویں اور بیسویں صدی میں بیک وقت کئی مغربی محققین نے اٹھایا جنکا آپس میں قریبی رابطہ تھا. انکی آپس میں تیرہ سو سے زائد خطوط پر مشتمل خط و کتابت کا ریکارڈ موجود ہے، مجھے حیرت ہے مسلم محققین نے اب تک ان خطوط پر تحقیق کیوں نہیں کی. خاص طور پر گولڈ زیہر اور سنوک کی خط و کتابت کا 488 خطوط پر مشتمل ریکارڈ نہایت اہم ہے.

ساخت کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مستشرق برنارڈ لیوس لکھتا ہے. ۱۹۵۰ میں ساخت نے اپنی فقہ اسلام کا ماخذ نامی کتاب شائع کروائی جو اسکا کلاسیکل کام ثابت ہوئی اور پھر اسکے بعد اس کتاب کے بہت سے ایڈیشن شائع ہوئے. بقول برنارڈ لیوس اپنے اس کام میں ساخت نے اپنے پیش رو اگناز گولڈ زیہر اور سنوک ہنگرنجی کے کام کو آگے بڑھایا ہے. اس نے گولڈ زیہر کے احادیث کے کام پر بھی نظر ثانی کی اور اسناد کو لیکر اعتراضات لگائے جبکہ گولڈ زیہر کی زیادہ توجہ متن کی طرف رہی تھی. ساخت کے کام کو لیکر تین گروہ بن گئے.

جیسے جیسے تحقیق آگے بڑھ رہی ہے ساخت کے کام کا کھوکھلا پن ظاہر ہو رہا ہے. جسکو شوق ہو وہ پہلے ساخت کی کتاب پڑھے اور پھر اسکے جواب میں لکھی پروفیسر محمد مصطفی عزامی کی کتاب پڑھے.

ساخت نے اپنی ریسرچ میں بہت حد تک صرف امام شافعی کی تناصیف پر انحصار کیا ہے اور انہی کی کتب، اختلاف الحدیث ، کتاب الام اور الرسالہ سے زیادہ تر حوالے دیے ہیں. ساخت کا کہنا ہے جب اہل رائے اور اہل حدیث نے اپنے اپنے حق میں احادیث گھڑ کر اپنی اپنی فقہ کو دوسری صدی ہجری کے دوسرے نصف میں تقویت دے لی تو امام شافعی سامنے آئے اور انہوں نے حدیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کو فقہ کا حصّہ ماننے پر پر زور دلائل دیئے اور اہل روایت کی حمایت کی. بقول مغربی محققین وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے اسلام کے قانون فقہ کی بنیاد رکھی اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کے اسوہ کو اپنانے پر زور دیا. انہوں نے اسلام کی قانونی فقہ کے اصول متعین کئے بقول ساخت اس کے بعد پھر زندہ روایت پر عمل کرنے کا دور ختم ہو گیا. ساخت کے بقول یہ ایک جارحانہ بدعت تھی جس کا اہتمام کیا گیا تھا

مغرب کے اسلامی علوم کے دیگر محقق ساخت کے کام سے متفق نہیں کہ احادیث کا تمام ذخیرہ جھوٹ پر مبنی ہے. انمیں مشہور نام پروفیسر ایچ اے آر گبز اور منٹگمری واٹ ہیں. اسلامی علوم کے ماہر پروفیسر فوت سیزگن، پروفیسر مصطفی عازامی، نبیا ایبٹ نے ساخت کی بھرپور مخالفت کی ہے،

انکا کہنا ہے ساخت کو علم حدیث کے طریقہ ترسیل ہی کا علم نہیں. ساخت کی تحقیق کو سب سے بڑا چیلنج این جے کولسن کی طرف سے پیش آیا جس نے اپنی کتاب "اسلامی قانون کی تاریخ" ١٩٦٤ میں کہا کہ تمام باتوں کے باوجود جو ساخت کہتا ہے، جو باتیں منتقل ہوئیں ان میں پیغمبر اسلام کے فرمودات کا کچھ جزو تو ہوگا. اس تبصرہ نے ساخت کو مشتعل کر دیا. ساخت نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اس صدی کے محققین نے جو نتائج حاصل کیے ہیں وہ آنے والے ریسرچر اپنی سستی سے ضائع کر دیں گے یا پھر وہ اسکو الٹ پلٹ کر دیں گے جبکہ اس کاوش میں انکا اپنا کوئی حصّہ نہیں ہے. اس کا اشارہ کولسن کی طرف تھا . ناقدین کا کہنا ہے کہ ساخت اس کوشش میں تھا کہ ثابت کرے کہ اسلام کے قوانین الہامی

نہیں بلکہ انسانوں کے ذہن کی پیداوار ہیں اور اسطرح اسلام کے نظریاتی ڈھانچے کو ملیامیٹ کا دیا جائے.

ان ریسرچرز کی انکے اپنے عہد حاضر میں کیا اہمیت ہوتی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سعودی عربیہ میں تیل نکالنے والی دنیا کی ایک بڑی امریکی ملٹی نیشنل کمپنی آرامکو نے ہاورڈ یونیورسٹی کے شعبہ قانون کے ڈین کی سربراہی میں ساخت کے لیکچر کا اہتمام کروایا جس میں امریکی تیل نکالنے والی کئی کمپنیوں کے مشیران نے شرکت کی اور ساخت کا لیکچر سنا. بعد میں ایسے لیکچرز کی ضرورت اتنی محسوس کی گئی کہ آرامکو نے اپنے چار قانونی مشیران کو ساخت کی سرکردگی میں اسلامی قوانین کی تربیت حاصل کے لئے آکسفورڈ روانہ کر دیا.

مناسب ہوگا ساخت کی کتاب سے کچھ اقتباسات یہاں درج کر دیے جائیں تا کہ قاری کو اس کے خیالات جاننے کا براہ راست موقع ملے.

اپنی کتاب کے باب اول میں اپنا موقف تشکیل دیتے ہوے وہ اپنے خاکہ میں اس طرح رنگ بھرتا ہے

کتاب کے پیش لفظ میں ساخت کہتا ہے

For the legal subject-matter in early Islam did not primarily derive from the Koran or from other purely Islamic sources; law lay to a great extent outside the sphere of religion, was only incompletely assimilated to the body of religious duties, and retained part of its own distinctive quality. No clear distinction, however, can be

made, and whenever I use the term Muhammadan Jaw, it is meant to comprise all t| subjects which come within the sacred law of Islam. I feel myself under a deep obligation to the masters of Islamic studies in the last generation. The name of Snouck Hurgronje appears seldom in this book; yet if we now understand the character of Muhammadan law it is due to him. Goldziher I shall have occasion to quote often; I cannot hope for more than that this book may be considered a not unworthy continuation of the studies he inaugurated.

آگے ایک اور جگہ لکھتا ہے

The results so gained will enable us to realize that the starting-point of Muhammadan jurisprudence lies in the practice of the late Umaiyad period,

Chapter one page 1

اس اوپر درج حوالہ سے ایک چیز جو عیاں ہوتی ہے وہ ہے سنوک. گولڈ زیھر اور ساخت کے مقاصد میں یگانگت، اسلام پر خوب سوچا سمجھا علمی اور نظریاتی وار. آپس میں اس تعلق کا اعتراف خود ساخت نے بھی اس حوالہ میں کیا ہے.

ساخت کا کہنا کہ اسلام کی پہلی ابتدائی صدی میں مسلمانوں کے قانونی معاملات میں قران اور سنّت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا. تو سوال ہے کیا جن قرانی احکامات پر مسلمان عمل کرتے تھے وہ قانون کی تعریف میں نہیں آتے تھے ؟اسکے لئے تو ضروری ہے پہلے قانون اور اسلامی قانون کی تعریف سمجھ لی جائے اور پھر دیکھتے ہیں قران کریم کا کیا ارشاد ہے جن کی تصدیق پھر نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اسوہ سے ہوتی ہے، قران کے قوانین جن کو عملی جامہ اسی دور میں پہنایا گیا.

مریم ویبسٹر لغت کے مطابق قانون تعریف یوں بیان کی گئی ہے

A binding custom or practice of a community : a rule of conduct or action prescribed or formally recognized as binding or enforced by a controlling authority

اور اسلامی قانون کیا ہے؟

Sharia, or sharia law, is the Islamic legal system derived from the religious precepts of Islam, particularly the Quran and Hadith.

یہ سماج کی طرف سے خود اختیار کردہ اخلاقی اور معاشرتی قوانین کا وہ مجموعہ جس کو وہ باہمی رضامندی سے لاگو کرتے ہیں اور انکی خلاف ورزی پر مجاز اتھارٹی سزا کا نفاذ کرتی ہے.

شریعت سے مراد انسان کا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ کا عطا کردہ قوانین کا وہ مجموعہ ہے جسکو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی زندگی میں نافذ کیا. لہٰذا قران اور سنّت اسلامی قوانین کا ماخذ ہیں. اسلامی قوانین کا تعلق انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے ہے.

اسلام ایک اصلاحی اور پر امن معاشرہ کے قیام کے لئے بنیادی کام انسان کے عقید کی اصلاح اور انمیں یگانگت پیدا کرنے سے کرتا ہے. اس سلسہ میں جو پہلا عظیم اور تمام قوانین کا سر دار قانون جو وہ وضع کرتا ہے وہ ہے لاإلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ. کیا اس انقلاب آفرین کلمہ سے بڑھ کر بھی کوئی اصول یا قانون ہو گا؟ پھر اس پر محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے دکھلایا تو کوئی محقق یہ کیسے کہہ سکتا ہے قرانی قانون اور رسول اللہ کی سنّت کی اسلامی قانون میں عمل داری پہلی صدی ہجری کے بعد داخل ہوئی.

اسی سرمدی کلمہ طیبہ کی بدولت ایک مسلمان نہ تو کسی پر ظلم کرتا ہے اور کسی ظلم کو خود پر مسلط ہونے دیتا ہے. اسلامی قانون کا نفاد اسی دن ہو گیا تھا جس دن پہلے مسلمان نے کلمہ طیبہ پڑھا تھا. جب انسان خدا پر ایمان لے آیا تو پھر اسکے مقرر کردہ قوانین پر عمل کرنے کے لئے وہ بخوشی تیار ہو گیا. تب اللہ تعالی نے اس سے کہلوایا

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ 6-162

آپ فرما دیجئیے کے بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔

ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِىَّ ٱلْأُمِّىَّ ٱلَّذِى يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَٱلْأَغْلَٰلَ ٱلَّتِى كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلنُّورَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ 7-157

جو لوگ کہ ایسے رسول ﷺ نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم

فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اُن کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں.

کیا اس کے بعد کوئی جواز رہتا ہے یہ بات کہنے کا کہ اسلامی قانون دوسری صدی میں بنا اور قرآن اور سنّت کو پھر اس قانون میں داخل کیا گیا. یقیناساخت کی یہ ایک بچگانہ بات ہے جو اس نے قصداً کہی ہے اور اپنے مذموم مقصد کے حصول کی خاطر کہی ہے.

ساخت لکھتا ہے:

It is one of the main results of the first part of this book, that Shafi'i was the first lawyer to define sunnah as the model behaviour of the Prophet, in contrast with his predecessors for whom it was not necessarily connected with the Prophet, but represented the traditional, albeit ideal, usage of the community, forming their 'living tradition' on an equal footing with customary or generally agreed practice.

Chapter one page 2

Two generations before Shafi'i reference to traditions from Companions and Successors was the rule, to traditions from the Prophet himself the exception, and it was left to Shiifi'i to make the exception his principle. We shall have" to conclude that, generally and broadly speaking, traditions from Companions and Successors are earlier than those from the Prophet.

Chapter one page 3

Goldziher, in another of his fundamental works, 1 has not only voiced his 'skeptical reserve' with regard to the traditions contained even in the classical collections, 2 but shown positively that the great majority of traditions from the Prophet are documents not of the time to which they claim to belong, but of the successive stages of development of doctrines during the first centuries of Islam. This brilliant discovery became the cornerstone of all serious investigation of early Muhammadan law and jurisprudence, 3 even if some later authors, while accepting Goldziher's

method in principle, in their natural desire for positive results were inclined to minimize it in practice. The importance of a critical study of legal traditions for our research into the origins of Muhammadan jurisprudence is therefore obvious. This book will be found to confirm Goldziher's results, and to go beyond them in the following respects: a great many traditions in the classical and other collections were put into circulation only after Shafi'i's time; the first considerable body of legal traditions from the Prophet originated towards the middle of the second century, in opposition to slightly earlier traditions from Companions and other

Chapter one page 4

Whereas Sha.fi'i professes to follow the traditions from the Prophet and to disregard everything else in all circumstances, the Medinese choose freely among the traditions from the Prophet and from others, and even reject both kinds altogether. Rabi' says explicitly: 'Our

doctrine is to authenticate only those traditions that are agreed upon by the people of Medina, to the exclusion of other places' (Tr. III, 148, p. 242). In the opinion of the Medinese, sound reason and analogy supersede traditions (Tr. Ill, 145 (a))

Chapter 4 page 23

On the whole we can say that the Medinese give preference to traditions from Companions over traditions from the Prophet. This attitude, which is reflected in an anecdote on Zuhri and ~ali~ b. Kaisan in Ibn Sa'd (ii 2 • 135), is of course inacceptable to Shafi'i.

Chapter 4 page 24

it was claimed that their opinions were likely to coincide with the decisions of the Prophet: 'Ibn Mas'O.d was asked about a problem; he replied: "I am not aware of any decision of the Prophet on this"; asked to give his own opinion (ray), he gave it; thereupon one of the men in his circle declared that the Prophet had given the same decision, and Ibn Mas'O.d was exceedingly glad that his opinion

coincided with the decision of the Prophet. It is therefore not surprising that traditions from Companions supersede traditions from the Prophet, that both kinds of traditions are mentioned on the same level, and that traditions from the Prophet are interpreted in the light of traditions from Companions.• Tr. III, 61,

Chapter 4 page 29

We must conclude that the reference to traditions from Companions is the older procedure, and the theory of the overruling authority of traditions from the Prophet an innovation, which was as yet imperfectly adopted by the lraqians and consistently applied only by Shafi'i.

ch4 pg 30

اگر ہم ساخت کی کتاب کے درج بالا حوالاجات باب اول صفحہ دو سے لیکر باب چہارم صفحہ تیس تک کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے، ساخت کا سارا زور اسی بات پر ہے کہ وہ ثابت کرے کے مسلمانوں کے اولین دور میں قرانی قانون اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور تعلیمات قانونی حیثیت نہیں رکھتی تھیں اور ان پر عمل نہیں ہوتا تھا اور یوں قران اور سنّت کی ضرورت اور اہمیت کو باطل ثابت کرے۔

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور احادیث کے مقابل اہل مدینہ میں رائج الوقت روایات اور اسلام سے پہلے کی "سنّت" کی بات کرتا ہے جس کے مطابق قانونی فیصلے ہوتے تھے. وہ اصحابہ اکرام اور انکی سنّت اور اقوال کی بات کرتا ہے جس پر لوگ عمل پیرا تھے مگر قران اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بطور قانون کی موجودگی سے صاف منکر ہے.

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اور کردار کا فیصلہ تو قران نے کر دیا تھا جس کو کوئی تاریخ نہ جھٹلا سکتی ہے نہ اسکی منکر ہو سکتی ہے. پھر لوگوں کے فیصلے تو اسی کے مطابق ہوتے تھے. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور دیگر مسلمان بھی قران کی دی گئی ہدایات کے مطابق ہی عمل کر رہے تھے. پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ سو سال تک قران کو قانون کا درجہ ہی نہ ملا ہو اور دوسری صدی ہجری کے کسی عالم دین نے انکو قانونی مقام دلوایا ہو. یہ ایک بدنیتی پر مبنی دعوی ہے. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور کردار قران کریم کی ان آیات سے واضح ہے.

قُلۡ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَۖ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلۡكَٰفِرِينَ

32-3

آپ (یہ بھی) فرمادیجیئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی. پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سُن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا 4-59

اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہلِ حکومت ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو تم اس امر کو اللہ تعالیٰ اور رسول کے حوالہ

کر دیا کرو اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔

پس یہ بات تو قران و سنّت ہی سے ثابت ہو گئی کہ قرانی قانون مسلمانوں کی زندگی کا ابتدا ہی سے حصّہ تھا اور اسی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے.

ساخت آگے لکھتا ہے

The classical theory of Muhammadan law defines sunna as the model behaviour of the Prophet.' This is the meaning in which Shafi'i uses the word; for him, 'sunna' and 'sunna of the Prophet' are synonymous. But sunna means, strictly speaking, nothing more than 'precedent', 'way of life'. Goldziher has shown that this originally pagan term was taken over and adapted by Islam, Z and Margoliouth has concluded that sunna as a principle of law meant originally the ideal or normative usage of the community, and only later acquired the restricted meaning of precedents set by the Prophet. 3 The aim of the present chapter is to analyse in detail the meaning in which sunna is used by Shafi'i and in the ancient schools of law-an analysis which will be found to

confirm the conclusion of Margoliouth-and beyond this, to investigate the concepts which in the ancient schools occupied the place filled in the later system by the 'sunna of the Prophet'.

Chapter 7 page 58

The ancient schools of law shared the old concept of sunna or 'living tradition' as the ideal practice of the community, expressed in the accepted doctrine of the school. It was not yet exclusively embodied in traditions from the Prophet, although the Iraqians had been the first to claim for it the authority of the Prophet, by calling it the 'sunna of the Prophet'. The continuous development of doctrine in the ancient schools was outpaced by the development of traditions, particularly those from the Prophet, in the period before Shafi'i, and the ancient schools were already on the defensive against the rising tide of traditions when Shafi'i appeared. This contrast between doctrine and traditions gave Shafi 'i his opportunity; he identified the 'sunna of the Prophet'

with the contents of traditions from the Prophet to which he gave, not for the first time, but for the first time consistently, overriding authority, thereby cutting himself off from the continuous development of doctrine before him. If the 'living tradition' diverges constantly from traditions, this shows that the traditions are, generally speaking, later.

Chapter 7 page 80

اسکے جواب میں پروفیسر محمدّ مصطفٰی الا عظمی لکھتے ہیں

The word sunna literally means a way, rules, or conduct of life. It has

been used in pre-Islamic poetry as well as in the Qur'an in the same sense.

Anyone can establish a sunna, good or bad, if it is followed by others. As

the life of the Prophet was the model for all Muslims to follow, the

expression "sunna of the Prophet" came into use in the life of the Prophet

and was even used by him. Sometimes the norms drawn analogically from

the practice or the sayings of the Prophet were also called sunna.

On Schacht origin of Muhammadan Jurisprudence by Al-Azami page 36

ساخت نے سنّت کو لیکر اگر لمبی بحث کی ہے اور اسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر قدیم رسم ورواج جو کہ رائج الوقت ہوں قرار دیا ہے تو ضرور اس سے وہ کوئی اہم بات ثابت کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام لانے کے باوجود مسلمانوں کے قانونی فیصلے قران اور سنّت رسول کی روشنی میں نہیں کیے جاتے تھے اور یہ سلسلہ سو سال کے طویل عرصہ تک چلاتا آنکہ مسلمانوں کے دینی عالموں نے دھڑا دھڑ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے انداز میں حدیثیں گھڑنا شروع کیں اور جو اسلامی قانون میں خلا تھا اس کو پورا کیا.

اس سے واہیات بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص جس کے لئے اسلام اجنبی ہے وہ اسکا مسلمانوں سے بڑھ کر دریافت کنندہ بن کر بتائے کہ قرآن کے قوانین تو سو سال بعد رائج ہونے اور سنّت رسول سے تو انکو اتنا عرصہ کوئی غرض ہی نہیں تھی.

ساخت کی ان باتوں کو رد کرتے ہوے مصطفی ازامی لکھتے ہیں

From the above quotations it is clear that:

1. Law was an integral part of Islam. There was no aspect of behavior that was not intended to be covered by the revealed law and this law was to

be binding on all Muslims; none had authority to alter it.

2. It was intended by Allah that His Prophet's whole life, decisions, judgments, and commands should have the force of law. -

authority of the Prophet does not rest on the acceptance of the community or on lawyers and scholars, but on the will of Allah himself

THE result of our inquiry so far has been that the real basis of legal doctrine in the ancient schools was not a body of traditions handed down from the Prophet or even from his Companions, but the 'living tradition' of the school as expressed in the consensus of the scholars. The opinion of the scholars on what the right decision ought to be precedes systematically, and also historically, its expression in traditions. 'Ve shall sec' that the material on which the ancient lawyers of Islam started to work was the popular and administrative practice as they found it towards the end of the Umaiyad period.

Chapter 9 page 98

وہ آگے کہتے ہیں

we examine Schacht's argument that the concept of the sunna of the Prophet was coined by the Iraqi school sometime in the second century A.ll." and that the sunna of the Prophet is therefore, "simply the 'living tradition' of the school put under the aegis of the Prophet.'" 12 In other words, the second-century scholars projected back their theories and judgments into the mouth of the Prophet to add authority to them.

We have seen, however, that the Quran describes the life of the Prophet as the model that ought to be followed, and that the word st4tma has been used in the Qur'an in several places. 1 3 Clearly, then, the term "stm/iaofthc Prophet" must have been in use in the time of the Prophet himself — and this is further proved by the hundreds of ahddith containing this usage which were current in the time of the Prophet.

Schacht, in fact, contradicts his own theory. Although he wants to argue that the concept "sunna of the Prophet" is a second-century accretion, he quotes Goldziher, whose opinion is that the term sunna was originally a pagan term (hat was adapted by Islam. 14 It is difficult to see how the tertn could be current in the pre-lslamic era, used frequently in the Qur'an, and then not be used again by scholars or by the community at large until the middle of the second century.

On Schacht .. page 105

He further says

The Prophet himself gave explicit instructions about this when he said:

"Pass on information from me even if it is only one verse." 1 And in the same tone at the farewell Hajj ceremony: '"Let those who are present convey the information to those who are absent." 2 Elsewhere, we find the same order, but in the form of prayer: "Allah fills with light a man who hears what J say, preserves it carefully in memory, and

passes it on to others." 3 Deputations coming to Medina were ordered to teach their people about the ahadith on their return. 4 Malik b. al-Huwairith is a specific example of someone thus ordered by the Prophet; the same order was given to the other delegates. 5 When the deputation of 'Abdul Qais visited the Prophet, they asked him to teach them how they might best convey his message and teach the people after them. Fi Various practical arrangements were made for the diffusion of the sunna. We find the Prophet teaching the surma himself. 7 To facilitate memorization and understanding, he used to repeat important things three times." After teaching, he used to listen to his Companions reciting what they had learned. 9 Deputations arriving from outlying areas were given into the custody of the Medinese, not only to be accommodated but also for education in the Our' an and (he sunna. The Prophet asked them questions to discover the extent of their learning. 10 Method of Learning Ahadith

The Companions used to listen to every word of the Prophet with the utmost care, learning the Quran and the sunna from him, mostly in the mosque. When the Prophet left them for any reason, they immediately began to go over what they had learned. This practice was described well by Mu'awiya" and is also found in the statements of Abu Al-Darda*, 12 culminating in the statements of Anas, the servant of the Prophet. He says: "We sat with the Prophet, maybe 60 persons in number, then the Prophet taught them Hadith. Later on, if he went away for any work then we used to memorize it among ourselves, and by the time we left, it had been cultivated in our hearts." 13 The Companions had the same obligations of daily life as everybody else. So it was not practically possible for afl of them to attend the circle of the Prophet on every occasion. Those who were absent therefore used to learn from those who had been present. 14 This has been well described

by the Companion Bara' b. 'Azib. 15 This was the order of the Prophet, as we have seen earlier. It therefore became a common practice among them to inform absentees about the Prophet's sayings and deeds. Some of them came to an agreement between themselves to attend the circle of the

Prophet in rotation. 16 After the Prophet's death, the pattern of transmission remained much the same. 'Umar, the second caliph, entrusted his governors with the duty of teaching the Our"an and the sunna of the Prophet. 17 He used to send out many teachers for this purpose. ,B Memorization of hadith was consci-entiously performed, just as it had been when the Prophet was alive. Abu Hurairah used to divide the night into three portions: one third for sleeping, one third for prayer, and one third for the memorization of hadith of the Prophet. 19 On Schacht page 109-110 One of the main conclusions to be drawn from Part I of this book is that, generally speaking, the 'living tradition' of the ancient schools of law, based to a

great extent on individual reasoning, came first, that in the second stage it was put under the aegis of Companions, that traditions from the Prophet himself, put into circulation by traditionalists towards the middle of the second century A.H., disturbed and influenced this 'living tradition', and that only Shafi'i securtd to the traditions from the Prophet supreme authority.

Part two Chapter 1 Page 138

Writes Professor Al-Azami

Given such a fundamental departure from the accepted view of Muslim choiars, it is necessary to examine in the greatest detail the evidence

Schacht adduces to support his argument. Before doing so, it is important to note that his thesis is based on the silentio principle, which assumes that if one scholar at any given time was ignorant of a particular hadith or failed to mention it or, rather, that if it was not mentioned by later scholars that earlier scholars used that particular hadith, then the hadith did not exist at that time. If

the hadith is first found with incomplete asnad. and, later, with complete Asnad, then the asnad has been "improved," in other words, fabricated. In a reductio ad absurdum, this argument would mean that if one writer in the Middle East failed to mention London as one of the major cities in the world, then all other writers who mentioned it later would be guilty of collusion in creating a fictional city. Even allowing for the fact thai Schacht did not have available to him many important source books, he quotes from those that were available in a way which sometimes appears to accept and reject authorities arbitrarily and to ignore certain political and geographical realities.

pages 115-116

Countering Schacht's objections on Isnad System Professor Al-Azami writes and we find how important they are which is reason the western orientalist attacked them.

In any evaluation of the isnad system one must keep firmly in mind its centra! position in Islam. The belief that the ahadith handed down by the

Prophet have the force of law is largely based on Qur'anic injunctions.

These ahadith came to us from the Prophet through chains of transmit-ters. They are, thus, the cornerstone of the Islamic faith and the code of ethics associated with it. Sufyan al-Thauri (d. 161 AH.) says: "The isnad is the believer's weapon; thus, when he has no weapon, with what will he fight? 1 Another scholar, Ibn Mubarak (d 181 AH), says: "Isnad is a part of religion (din), and if there were no isnad everyone would be free to report what he wants."

An example

Abu Huraira reported (he Prophet saying: The Imam ought to be followed.

So recite takbir when he recites it, and bow down when he bows down.

And when he says ("Allah hearkens to him who praises Him")

Say ("O Allah, our Lord, praise be to thee. And when he prostrates, you should prostrate. When he raises [his head] you should raise yours. You must not raise your [head] until he raises his. If he prays sitting, you should all pray sitting.

This hadith has been recorded at least 1 24 times, with many dozens of scholars of different localities taking part in it. It is reported by 26 third-generation authorities, all of whom trace the origins of their know- ledge to Companions of the Prophet. It is found almost in the same form or in the same meaning in all versions in ten different locations at this time (Medina, Mecca, Egypt, Basrah, Hims, Yemen, Kufa, Syria, Wasit, and Taif). Three of the 26 authorities heard it from more than one source.

page 156

ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی نے اپنی کتاب The Reconstruction of Legal thoughts in Islam (جس کا پیش لفظ مولانا سید ابو اعلی مودودی نے لکھا

ہے) میں لکھا ہے ساخت کے اسلامی قانون کو لیکر خیالات بنیادی طور پر غلط ہیں. اسکا یہ کہنا کہ اسلامی قانون قران سے اخذ شدہ نہیں بے بنیاد ہے لگتا ہے اس نے قران کا مطالعہ کیا ہی نہیں .اسی طرح اسکا یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قانون کی عمل داری کے لئے نہیں تھے اور نہ اتھارٹی تھے بھی غلط ہے. میثاق مدینہ نے انکو فیصلے کرنے کا پورا اختیار دیا تھا. قران کے مطابق بھی وہ جوڈیشل اتھارٹی تھے. لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام کا قانون کا نظام دوسری صدی ہجری میں جا کر وجود میں آیا. پہلی ایک صدی میں کیا ہوتا رہا؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ خلا رہے. ساخت نے اس کی توجیح میں کہا کہ عرب کے معاشرتی اصل وضوابط جو زمانہ جاہلیت کے تھے فیصلے انہی کے مطابق ہوتے تھے تو یہ بات غلط ہے. ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی کا خیال ہے ساخت کی تحقیق کا معیار بہت گرا ہوا ہے. وہ "living traditions"

سے سو سال کا خلاء پر کرنا چاہتا ہے. پھر اچانک انقلاب آ جاتا ہے اور قانون بننے شروع ہو جاتے ہیں. اسلام کی تو پہچان ہی شروع سے اسکے قوانین کی وجہ سے ہے. ساخت اس بات کا جواب بھی

نہیں دے پایا کہ سو سال تک احادیث کی ضرورت نہیں پڑی پھر ایسی کیا بات تھی کہ اسکی ضرورت پڑ گئی اور لوگوں نے کیوں اسکو بطور قانون کے قبول کر لیا.

قران کریم کی ان صاف صاف ہدایات کے بعد کون بیوقوف ہے جو قران کے ماخذ قانون ہونے سے انکار کرے. فرمایا ہے:

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ 5-40

کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں اور اللہ تعالٰی کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَـٰفِرُونَ 5-45

اور جو شخص خدا تعالٰی کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں

ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ 3-6

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا تعالٰی کو چھوڑ کر دُوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٖ وَلَا مُؤۡمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمۡرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلۡخِيَرَةُ مِنۡ أَمۡرِهِمۡۗ وَمَن يَعۡصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلَـٰلٗا مُّبِينٗا 33-36

اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے جب کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان کو ان (مومنین) کے اس کام میں کوئی اختیار (باقی) ہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

اسلام کے خلاف مذموم مقاصد لیکر ریسرچ کرنے والے انیسویں صدی میں کام کرنے والے مغرب اسکالرز کے کئی اور نام بھی ہیں مگر کچھ کا ذکر ہی انکی کاوشوں کو فاش کرنے کو کافی ہے.

یہ حالات تھے جب مسلمان امّت مغربی علمی یلغار اور مغربی قوتوں کی مسلح فوجی طاقت کے سامنے عاجز بیسویں صدی میں داخل ہوتی ہے . اس میں بھی کئی نامی گرامی مستشرقین نے دین اسلام پر اپنے وار جاری رکھے مگر اختصار کی خاطر ہم سب کو چھوڑ صرف ایک کا ذکر ذرا تفصیل سے کرنے پر اکتفا کرتے ہیں.

برنارڈ لوئیس

اسلام پر مغربی ماہر برنارڈ لوئیس جس کا انتقال حال ہی میں ۱۹ مئی ۲۰۱۸ کو ایک سو ایک سال کی عمر میں ہوا ہے. ہم آپکو بتایں گئے کس طرح صرف ایک یہودی اسکالر نے مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی. مگر اس سے پہلے اسکی اہمیت جاننے کے لئے جو تحریریں اسکی موت پر شائع ہوئیں انکا ذکر کرنا بلکہ انکے اقتباسات یہاں درج کرنا بیجانہ ہوگا.

امریکا کے موقر جریدہ فارن افئیرز میں مارٹن کریمر لکھتے ہیں:

No other person in our time has done as much to inform and influence the West's view of the Islamic world and the Middle East. A long career of scholarship in the United Kingdom, followed by decades as a public intellectual in the United States, earned him readers across the globe. After the 9/11 attacks, he became a celebrity: "Osama bin Laden made me famous," he admitted. The two short books he published after the terror strikes became New York Times best sellers.

اخبار نیو یارک ٹائمز میں ڈگلس مارٹن نے لکھا

Bernard Lewis, an eminent historian of Islam who traced the terrorist attacks of Sept. 11, 2001, to a declining Islamic civilization, a controversial

view that influenced world opinion and helped shape American foreign policy under President George W. Bush, died on Saturday in Voorhees Township, N.J. He was 101.

His longtime partner, Buntzie Churchill, confirmed the death, at a retirement facility.

Few outsiders and no academics had more influence with the Bush administration on Middle Eastern affairs than Mr. Lewis. The president carried a marked-up copy of one of his articles in his briefing papers and met with him before and after the invasion of Iraq in March 2003. Mr. Lewis gave briefings at the White House, the residence of Vice President Dick Cheney and the Pentagon under Defense Secretary Donald Rumsfeld.

اخبار واشنگٹن پوسٹ میں برین مرفی نے لکھا

Dr. Lewis's friendship — and ideological kinship — with the Cold War hawk and Israel supporting Sen. Henry M. "Scoop" Jackson (D-Wash.) opened prominent doors in the capital,

eventually giving Dr. Lewis favored status among top White House and Pentagon planners before the 2003 invasion of Iraq.

Even as Dr. Lewis kept up an astonishing pace of writing and interviews into his mid-90s, he was often dogged by questions over his close ties to the architects of the invasion of Iraq, including then-Vice President Richard B. Cheney and two of Jackson's proteges, then-Deputy Defense Secretary Paul Wolfowitz and security adviser Richard Perle.

Dr. Lewis had no qualms about hard-edged policies toward the Middle East, once famously advising "get tough or get out," in what some have dubbed the Lewis Doctrine.

برطانوی اخبار دی گارڈین نے لکھا

The Palestinian intellectual Edward Said called him a Zionist apologist and an orientalist who "demeaned" Arabs. To this, Lewis retorted: "If westerners cannot legitimately study the history of Africa or the Middle East, then only fish can study marine biology."

Their spat continued for a quarter of a century. In the view of another scholar of the region, Charles Tripp, Lewis's earlier work was "substantial and influential but through his later misguided political involvement in US policy making, he reinforced Said's argument about how forms of knowledge are produced to service power".

The journalist Lamis Andoni depicted Lewis's book What Went Wrong: Western Impact and Middle Eastern Response (2002) as "practically a manifesto for advocates of US military intervention"

برنارڈ لیوس کے انتقال پر چند اوپر درج کی گئیں اخبارت میں چھپی آرا سے آپکو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ایک مغرب میں بیٹھا اسلام کا غیر مسلم اسکالر کیا اہمیت رکھتا ہے اور وہ کیا کچھ کر سکتا ہے

اپنی زندگی میں جو اس نے علمی محاذ پر کام کیا اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے

1940 Origins of Isma'ilism: A Study of the Historical Background of the Fatimid Caliphate AMS Press

1947 A Handbook of Diplomatic and Political Arabic Luzac and Co.

1950 The Arabs in History Hutchinson's University Library

1961 The Emergence of Modern Turkey Oxford University Press

1963 Istanbul and the Civilization of the Ottoman Empire University of Oklahoma Press

1967 The Assassins: A Radical Sect in Islam Weidenfeld & Nicolson

1971 The Cambridge History of Islam Edited by Lewis, Peter M. Holt, and Ann K.S. Lambton Cambridge University Press

1972 Race and Color in Islam Joanna Cotler Books, ISBN 0-061-31590-7

1974 Islam: From the Prophet Muhammad to the Capture of Constantinople. Volume 1: Politics and War Translated and edited by Lewis Harper & Row

1974 Islam: From the Prophet Muhammad to the Capture of Constantinople. Volume 2: Religion

and Society Translated and edited by Lewis Harper & Row

1975 History: Remembered, Recovered, Invented Princeton University Press, ISBN 0-691-03547-4

1982 Christians and Jews in the Ottoman Empire: The Functioning of a Plural Society Edited by Lewis and Benjamín Braude Holmes & Meier Publishers, ISBN 0-841-90520-7

1982 The Muslim Discovery of Europe W. W. Norton & Company, ISBN 0-393-01529-7

1984 The Jews of Islam Princeton University Press, ISBN 0-691-05419-3

1987 Semites and Anti-Semites: An Inquiry Into Conflict and Prejudice W. W. Norton & Company, ISBN 0-393-30420-5

1988 The Political Language of Islam University of Chicago Press, ISBN 0-226-47692-8

1990 Race and Slavery in the Middle East: an Historical Enquiry Oxford University Press, ISBN 0-195-06283-3

1993 Islam and the West Oxford University Press, ISBN 0-195-06283-3

1993 Islam in History: Ideas, People, and Events in the Middle East Open Court Publishing Company, ISBN 0-812-69217-9

1994 The Shaping of the Modern Middle East Oxford University Press, ISBN 0-195-07282-0

1995 Cultures in Conflict: Christians, Muslims, and Jews in the Age of Discovery Oxford University Press, ISBN 0-195-09026-8

1996 The Middle East: A Brief History of the Last 2,000 Years Scribner, ISBN 0-684-80712-2

1999 The Future of the Middle East: Predictions Orion Publishing Group, ISBN 0-297-81980-1

1999 The Multiple Identities of the Middle East Schocken Books, ISBN 0-805-24172-8

2000 A Middle East Mosaic: Fragments of Life, Letters and History Selected and edited by Lewis Modern Library, ISBN 0-375-75837-2

2001 Music of a Distant Drum: Classical Arabic, Persian, Turkish, and Hebrew Poems Translated by Lewis Princeton University Press, ISBN 0-691-08928-0

2002 What Went Wrong?: The Clash Between Islam and Modernity in the Middle East Weidenfeld & Nicolson, ISBN 0-297-82929-7

2003 The Crisis of Islam: Holy War and Unholy Terror Weidenfeld & Nicolson, ISBN 0-297-64548-X

2004 From Babel to Dragomans: Interpreting the Middle East Weidenfeld & Nicolson, ISBN 0-297-84884-4

2008 Islam: The Religion and the People Co authored by Buntzie Ellis Churchill FT Press, ISBN 0-132-23085-2

2010 Faith and Power: Religion and Politics in the Middle East Oxford University Press, ISBN 0-195-14421-X

2011 The End of Modern History in the Middle East Hoover Institution Press, ISBN 0-817-91294-0

2012 Notes on a Century: Reflections of a Middle East Historian Viking Adult, ISBN 0-670-02353-1

برنارڈ لیوس کی امریکی پالیسی سازی میں حیثیت کے ساتھ ساتھ اسلام کے بارے میں اسکی لکھی گئی کتابوں سے تو آپکو اسکے کام کا اندازہ ہو ہی گیا ہو گا. اسلام اور مسلمانوں کے خلاف علمی کام کرنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر عسکری اور سیاسی محاذ پر انکو نقصان پہنچانے والوں کی برنارڈ لیوس ایک بہترین مثال اور ثبوت ہے. ایک ایسا محقق جو خود اسلام کے خلاف عملی طور پر بھی بر سر پیکار ہو. بھلا آپ سوچئے ایسا شخص ایک غیر جانبدار ریسرچر کیونکر ہو سکتا ہے، تعصب اور اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے اسکی کی گئی تحقیق یقینا ناقص ہے اور یکسر مسترد کرنے کے لائق ہے.

یہ اپنے سے پہلے گزرے مستشرقین کی ذہنیت کا مکمل نمونہ ہے یہی وجہ ہے یہاں مثال کے لئے بیسویں صدی کے نمائندہ کے طور پر اسکا انتخاب کیا ہے.

جو باتیں اسلام کے خلاف صرف علمی حلقوں میں کہی اور سمجھی جاتی تھیں انکو بیسویں صدی میں اسلام کی مخالفت میں امریکا کی سرکاری پالیسی کا حصّہ بنادیا گیا. مسلمان نوجوانوں کو افغنستان میں سوویت یونین کے خلاف دنیا بھر سے اکھٹا کرنے اور استعمال کرنے کے بعد اور اس کے نتیجہ میں سوویت یونین کی شکست کے بعد مغرب کو اس مسلمان نسل کی طاقت کا اندازہ ہوا اور اس سے یہ فکر مند اور پریشان ہوے. لہذا ساری دنیا میں انکو مجموعی طور پر کچلنے کے لئے نیے عالمی نظریات تشکیل دیے گئے، جن میں نظریاتی جنگ میں جیو گرافیائی

سرحدوں کے خاتمے کا تصور، یعنی اگر کوئی افغانستان میں امریکا کے خلاف سوچ رہا ہے تو یہ سمجھا جائے گا جیسے وہ امریکا میں بیٹھا ایسا کر رہا ہے، دوئم مغرب کو ایسی جگہوں پر پیشگی حملہ کرنے کی آزادی ہوگی. مسلمانوں کی اسلامی حکومت کسی جگہ بھی قائم نہیں ہونے دی جائے گی. اس کی بہترین مثالیں الجزائر میں اسلامی پارٹی کو انتخاب جیتنے کے بعد بھی حکومت نہ دینا اور مصر میں اخوان سے حکومت چھین لینا شامل ہے، اسی طرح سے مغرب نے ترکی میں بھی حکومت کا تختہ الٹانے کی کوشش کی جو ناکام ہوگئی. ان حالات میں مزید دلیری سے اسلاموفوبیا کو ہوا دی گئی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جھوٹی باتیں اب سر عام کہی جانے لگیں. توھین آمیز کلمات کہے گئے اور تمسخر آمیز کارٹون بنائے گے. یہ سب اسی تحریک استشراق کی نئی ترقی یافتہ شکل ہے. دین اسلام کے نظریات کو دشمن کا درجہ دے دیا گیا. اور اسکے خلاف صرف مسلح کاروائیاں ہی نہیں کی گئیں جس سے افغانستان، عراق، شام، یمن اور لیبیا تباہ و برباد ہوگیے بلکہ نظریاتی محاذ پر بھی کاروائیاں جاری ہیں جس میں تعلیمی نصاب میں تبدیلیاں کروانا، سب ذرائع ابلاغ پر لبرل اور سیکولر نظریات کا پرچار، نوجوانوں کو بے راہروی کی ترغیب دینا، اور دیگر ہتھکنڈے شامل ہیں. حد تو یہ ہے کہ اس ایجنڈا میں کئی مسلمان حکمران بھی انکے پشتی بان ہیں

اسلامی علوم کا ماہر یہودی پروفیسر برنارڈ لیوس اسلام کے خلاف جاری موجودہ جنگ کا ایک مرکزی کردار ہے. ستر سال سے اسلام پر تحقیق کرنے والا یہ یہودی محقق چھیالیس سے زیادہ کتابوں کا مصنف ہے. ۱۹۱۶ میں پیدا ہونے والا یہ شخص امریکہ کی پالیسی سازی میں بڑا اہم کردار رکھتا ہے. امریکی تاریخ دان جول بینن نے اسکو شمالی امریکا کی مڈل ایسٹ اکیڈمک برادری میں سب سے بارسوخ صیہونی کہا ہے. امریکی نائب صدر ڈک چینی نے اسکے بارے میں کہا "اس صدی میں پالیسی بنانے والے، سفارت کار اور دانشور اہل علم اور نیوز

میڈیا شخصیات سب ہی روزانہ کی بنیاد پر برنارڈ لیوس کی ذہانت سے فیض یاب ہوتے ہیں" کہا جاتا ہے عراق پر امریکا کی چڑھائی کے پیچھے اسی کا اثر ور سوخ کارفرما تھا۔ ١٠

برطانوی اخبار دی ڈیلی ٹیلیگراف کی ١٥ فروری ٢٠٠٤ کی اشاعت میں برنارڈ لیوس کے اثر و رسوخ پر روشنی ڈالتے ہوئے اسکا کہنا ہے ، ہینری کسنجر نے فارن پالیسی پر جب اس سے رائے مانگی "کیا ہم ایران کے آیت اللہ سے مذاکرات کریں ؟" تو برنارڈ لیوس کا جواب تھا "قطعنا نہیں" . اسکا اثر صدر بش تک پر دیکھا گیا جب ١١/٩ کا واقعہ ہوا تو عین اسکے بعد بش کو برنارڈ لیوس کے لکھے مضامین کے ساتھ دیکھا گیا. صرف اس کے آٹھ دن بعد یہ صاحب ڈیفینس پالیسی بورڈ کو بریفنگ دے رہے تھے اور اس کے ساتھ عراق کا غدار احمد شلابی بیٹھا ہوا تھا جس کو عراق کے حملہ کے بعد وہاں کا قائم مقام وزیر اعظم بنایا گیا، یہ برنارڈ لیوس کا دوست تھا.

برنارڈ لیوس کا کردار بہت بھیانک ہے وہ اپنی تحریروں میں کبھی مکاری سے اسلامی تہذیب کی تعریف کرتا ہے اور مسلمانوں کی عظیم کامیابیوں کا ذکر کرتا ہے. یہ فریب وہ غیر جانبدار نظر آنے کے لئے دیتا ہے مگر ساتھ ہی وہ بہت چالاکی سے اسلام پر حملہ آور ہوتا ہے. ایک ایسا شخص جس نے مغربی قوتوں کو مسلمانوں کے خلاف فوجی یلغار پر اکسایا اور اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے اسکو عملی جامہ بھی پہنوایا. یہ برنارڈ لیوس کی فکر کا اثر تھا کہ اسکی تحریروں سے متاثر ہو کر سیموئیل ہنٹنگٹن نے تہذیبوں کا ٹکراؤ نامی کتاب لکھی. افغانستان میں امریکی جرنل مائیکل فلین نے ڈیپتھ آف فیلڈ نامی کتاب لکھی جس میں اس نے اسلام کو کینسر سے تشبیہ دی. اسکے چیلے موجودہ امریکی صدر ٹرمپ کی انتظامیہ میں بھی شامل ہیں. انمیں جان بولٹن ہیں جو مشیر برائے قومی سلامتی ہیں، امریکی سیکرٹری خارجہ مائک پومپیو ہیں اور سی ای اے کی ڈائریکٹر جینا ہسپیل ہیں، یہ سب اپنی مسلمان دشمنی کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں.. کئی امریکی انتظامیہ کے عھدے دار تسلیم کرتے ہیں کہ وہ برنارڈ لیوس کی کتابوں سے متاثر ہیں.

پروفیسر ایڈورڈ سعید ایک ایسی شخصیت تھی جس نے برنارڈ لیوس کی تحریروں کے متعصبانہ پن کو فاش کیا اور اپنی شہرہ آفاق تحقیق جو اوریئنٹل ازم کے نام سے شائع ہوئی اس میں ان سب محققین کے پول کھولے اور انکے کام کو رد کر دیا۔ انکے اس شاندار کارنامے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ قلمکار استاد اور کالم نگار حامد دباشی نے برنارڈ کی موت پر لکھا "ایڈورڈ سعید اور برنارڈ لیوس ہمیں دو مخالف سروں پر کھڑے نظر آتے ہیں سعید اخلاقی برتری کے ساتھ دانشور نقادوں کے ساتھ کھڑا نظر آتا ہے جبکہ برنارڈ لیوس ملٹری پالیسی سازوں کے ہمراہ کھڑا نظر آتا ہے جہاں وہ انکو سیکھا رہا ہے کہ عربوں اور مسلمانوں پر مکمل کامیابی کے ساتھ حکمرانی کیونکر کرنی ہے۔

لیوس کا سیاسی پیغام سادہ اور عدم مصلحت پر مبنی ہے۔ وہ امریکیوں سے کہتا ہے "سختی دکھاؤ یا چھوڑ دو" لیوس کہتا ہے مشرق وسطی میں کم طاقت کے استعمال سے کم وقت میں نتائج حاصل کرو تاکہ پھر وہاں باہمی رضامندی سے سیاسی ادارے قائم کیے جائیں اور اس کام کے لئے سب سے زرخیز زمین عراق کی ہے، ہمیں یہ کام وہاں سے شروع کرنا چاہیے۔

لیوس کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات بدل رہے ہیں اور اسکے نتیجہ میں تبدیلیاں آرہی ہیں۔ ایک تو وہ مسلمان ہیں جو سمجھتے ہیں مغرب اور انکا لیڈر امریکا اسلام کے پرانے دشمن ہیں اور اللہ کے دین کو نافذ کرنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں اس کا حل صرف مرتے دم تک جنگ ہے کہ اللہ کے نظام کو غلبہ دلایا جائے۔

ان میں دوسرے وہ مسلمان ہیں جو راسخ القیدہ تو ہیں اور مغرب کی کمزوریاں انکے مد نظر ہیں مگر وہ مغرب میں اچھائیاں بھی دیکھتے ہیں وہاں کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اور آزادیاں انکے لئے متاثر کن ہیں جن سے جدید جمہوری نظام چل رہے ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے مذہب اور کلچر اور عقائد کو برقرار رکھتے ہوئے اچھی اور بہتر زندگی کی خاطر ہمیں جوائن کریں۔

اسکے علاوہ مسلمانوں کی ایک قسم اور ہے جو مغرب کو اپنا اصلی دشمن تصور کرتے ہیں اور تمام برائیوں کی جڑ سمجھتے ہیں ، مگر ساتھ ہی مغرب کی طاقت سے بھی باخبر ہیں اور وقتی بندوبست چاہتے ہیں تاکہ تیاری کے لئے وقت مل جائے . ہمیں چاہیے کہ ہم دوسری اور تیسری قسم کو آپس میں گڈ مڈ نہ کردیں."

اس کا مزید کہنا ہے : دہشت کے خلاف جنگ کہنا تو دراصل ایک حربہ ہے ، یہ جنگ کرنے کا ایک بہانہ ہے ، یہ کوئی وجہ نہیں ، یہ کوئی دشمن نہیں ، یہ کوئی چیز نہیں جس کی بطور دشمن نشاندہی کی جاسکے ، اور میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ جنگ لڑنے میں زیادہ واضح بات کرنی چاہیے . یہ ضروری ہے کہ معلوم ہو دشمن کون ہے . میرا خیال ہے آپ اتفاق کریں گئے

"مغرب نے منظم خونریزی میں برتری کی وجہ سے جنگ جیتی ہے اس وجہ سے نہیں کہ اسکے نظریات اور اقدار بہت برتر ہیں اور یہ بات اہل مغرب اکثر بھول جاتے ہیں مگر غیر مغربی کبھی نہیں بھولتے . "

پروفیسر سٹیفن شیحی "اسلاموفوبیا. مسلمانوں کے خلاف نظریاتی مہم "نامی اپنی اس کتاب میں کہتے ہیں :

۱۱/۹ کا واقعہ ہوتے ہی ڈونالڈ رمسفیلڈ ، رچرڈ پرلے اور پال وولفووٹز نے وائٹ ہاؤس میں اہل علم، صحافیوں، پالیسی سازوں اور ماہرین کا ایک اجلاس بلایا. صحافی باب ووڈورڈ رپورٹ کرتے ہیں کہ وولفووٹز نے تھنک ٹینک امریکن اینٹرپارئز انسٹیٹوٹ کے صدر کرسٹوفر ڈیمیچ کو بتایا کہ "امریکی حکومت اور خاص کر پینٹاگون ۱۱/۹ کے اتنے بڑے واقعہ سے نبٹنے کیلئے اس طرح کے آئیڈیاز اور حکمت عملی بنانے میں قاصر ہیں جس کا تقاضا اتنا بڑا سانحہ کرتا ہے . لہذا اعلی فوجی اور محکمہ خارجہ کے افسران اور بش کابینہ کے ہمراہ انکی رہنمائی کے لئے زی فہم لوگ ملکر "دہشت کے خلاف "

جنگ لڑیں گئے انمیں فرید زکریا، برنارڈ لیوس اور فواد عجمی شامل ہونگے اور انکے ساتھ اور بھی عربوں کے ازلی دشمن اور اسرائیل کے حامی نظریہ ساز شامل ہونگے۔"۱۱

امریکی پالیسی سازوں اور برنارڈ لیوس میں تعلق کو بیان کرتے ہوئے سٹیفن شیحی لکھتے ہیں: لیوس، پال وولفووٹز رچرڈ پرلے اور زلمے خلیل زاد کا بہت پرانا دوست ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پرلے لیوس کو مشرق وسطی کے معاملات پر اپنا استاد مانتا ہے۔ بش کے دور میں خود لیوس نے فخر یہ بتایا تھا کس طرح اس نے وائٹ ہاؤس اور وزارت دفاع میں اپنے دوست بنا رکھے ہیں۔ اسی لئے ۲۰۰۷ کو ارونگ کرسٹول ایوارڈ دیتے ہوئے نائب صدر ڈک چینی نے کہا تھا:

"برنارڈ لیوس اسلامی تہذیب کی عظمت سے واقف ہے......آج کے زمانہ میں کسی بھی زندہ آدمی سے زیادہ یہ جانتا ہے موجودہ کشمکش آزادی اور خوف کے مابین ہے، انصاف اور ظلم کے درمیان ہے، یہ جانتا ہے آزادی مصیبت نہیں جس پر سمندر سے اس پار بیٹھے لوگوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا۔ اور جیسے آجکل ہمارے زمانے میں آزادی اور برابری کے لئے کشمکش ہوری ہے ہم اس میں برنارڈ لیوس کی سخت گیر سوچ پر بھروسہ کریں گے۔"لیوس نے چینی، نیوکون اور صیہونیوں کو وہ بیانہ عطا کیا کہ وہ ملٹری کی مدد سے مداخلت کریں اور استعماری قوت بنیں اور ایک نیا کروسیڈ شروع کریں"۱۱

پروفیسر شیحی مزید کہتے ہیں، برنارڈ لیوس وہ آدمی ہے جس نے اسلام سے نفرت اور مشرق وسطی میں فوجی مداخلت کو امریکی پالیسی میں مرکزی حیثیت دلوائی۔

پروفیسر شیحی کے مطابق برنارڈ لیوس ہی وہ آدمی تھا جس نے امریکا کو مشورہ دیا کہ وہ شاہ ایران کو چھوڑ کر ایران میں سیاسی سرگرم مسلمانوں کی حمایت کرے۔

یہی وہ شخص ہے جس نے صدر جمی کارٹر، سی ای اے کے ڈائریکٹر ولیم کیسئی اور برزنسکی کو خاص طور پر افغانستان میں اسلامی مسلح جدوجہد پر باہمی فائدہ کی خاطر آمادہ کیا۔ ۱۱

اب آپ کو سمجھ آگئی ہو گی کس طرح ایک آدمی نے مسلمانوں کے خلاف اتنا شاطرانہ جال بنا اور انکو اس حال میں پہنچا دیا۔

آپ نے دیکھا ایک یہودی نے کس محنت سے کس قدر کام کیا اور اپنے رسوخ سے مسلمانوں کے خلاف وہ کچھ کیا اور کروایا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بس ثابت ہوا مستشرقین کے تحقیقی کام اور انکے عملی طور پر اسلام کے خلاف کام کرنے میں تال میل ہے۔ وہ کسی بھی طور پر ایک غیر جانبدار محقق کے طور پر تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔

اسکے ساتھ ہی ان کی باتوں سے جو مسلمان متاثر ہیں یا کمتری کا شکار ہیں وہ قرآن کی ان آیات پر غور کریں

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَـٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّـٰلِمِينَ (٥١) فَتَرَى ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَـٰرِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰٓ أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ فَعَسَى ٱللَّهُ أَن يَأْتِىَ بِٱلْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِۦ فَيُصْبِحُواْ عَلَىٰ مَآ أَسَرُّواْ فِىٓ أَنفُسِهِمْ نَـٰدِمِينَ سُوْرَةُ المَائدة

اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے تو وہ انہیں سے ہے اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا (۵۱) پھر تو ان لوگوں کو دیکھے گا جن کے دلوں میں بیماری ہے ان میں دوڑ کر جا ملتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے سو قریب ہے کہ اللہ جلدی فتح ظاہر فرمادے یا کوئی اور حکم اپنے ہاں سے ظاہر کرے پھر یہ اپنے دل کی چھپی ہوئی بات پر شرمندہ ہوں گے

مستشرقین کا علمی محاسبہ

انیسسویں صدی کو اورینٹل ازم کے عروج کا زمانہ کہا جا سکتا ہے. ۱۸۷۳ میں اورینٹلاسٹس کی پہلی کانگریس پیرس میں منعقد ہوئی، یہ سلسلہ پہلی جنگ عظیم تک چلتا رہا. آخری کانگریس ۱۹۱۲ میں ویانا میں منعقد ہوئی. پہلی جنگ عظیم کے بعد صرف چار کانگریس منعقد ہوئیں. پھر بدلتے تقاضوں کی وجہ سے ۱۹۷۳ میں اسکا نام انٹر نیشنل کانگریس آف ہیومن سائنسز رکھ دیا گیا.

اب امریکا اور یورپ کی یونیورسٹیز میں اسی نام ہیومن سائنسز سے یہ شعبے کام کرتے ہیں. اسکی تبدیلی کی ایک وجہ اس نام اورینٹ کی بدنامی تھی.

تحریک استشراق پر پہلی تنقید پیرس کی سوبورن یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر انوار عبدالمالک کی طرف سے ہوئی. انہوں نے ۱۹۶۲ میں "اورینٹل ازم بحران میں" نامی مقالہ لکھا اور کہا مغربی محققین مشرق میں رہنے والوں کو انسان نہیں آبجیکٹ سمجھتے ہیں نیز یہ وہاں سے بیش قیمت مسودات اور تاریخی کتابیں اٹھا کر یورپ میں اپنی لائبریریوں میں منتقل کر رہے ہیں. اسکے کوئی دو سال بعد لندن کی یونیورسٹی میں تاریخ کے استاد عبدالطیف تباوی نے "انگریزی بولنے والے اورینٹلسٹ" کے نام سے ایک مقالہ لکھا جس میں مغربی محققین جس

نظر سے عربوں اور اسلام کو دیکھتے ہیں اس پر تنقید کی گئی تھی. تباوی نے انکی متعصبانہ تحریروں کی ایک وجہ عیسایت اور مسلمانوں کے درمیان پرانی دشمنی بتائی.

اورینٹلسٹ پر تیسری بھرپور تنقید کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر ایڈورڈ سعید نے ۱۹۷۸ میں

اپنی شہرہ آفاق کتاب اورینٹل ازم میں کی، دنیا کے دانشوروں نے ایڈورڈ کی تحقیق کو تسلیم کرلیا کہ اب تک اورینٹلسٹ نے جو کام کیا ہے وہ تعصب پر مبنی ہے لہذا ناقص ہے. اس سے برنارڈ لیوس

جیسے مستشرقین کو سخت پریشانی ہوئی اور وہ علمی میدان میں ایڈورڈ سعید سے الجھ پڑے اس ضمن میں ایڈورڈ سعید اور برنارڈ لیوس کے درمیان کافی عرصہ بحث مباحثہ چلتا رہا.

ایڈورڈ سعید کی بھرپور اور مکمل تنقید کا یہ اثر ہوا کہ اورینٹلسٹ کا استعمال متروک ہو گیا. ایڈورڈ سعید کا یہ علمی کارنامہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا. اسکی کتاب سے چند اقتباسات یہاں درج کرنے کے قابل ہیں. آپ رائیٹر کی ذہانت، عقلیت اور لفظوں کی کاٹ پر ذرا غور کریں.

.From the beginning of Western speculation about the Orient, the one thing the orient could not do was to represent itself. Evidence of the Orient was credible only after it had passed through and been made firm by the refining fire of the Orientalist's work".

—Edward W. Said, Orientalism

"Always there lurks the assumption that although the Western consumer belongs to a

numerical minority, he is entitled either to own or to expend (or both) the majority of the world resources. Why? Because he, unlike the Oriental, is a true human being. No better instance exists today of what Anwar Abdel Malek calls“ the hegemonism of possessing minorities ”and anthropocentrism allied with Eurocentrism: a white middle-class Westerner believes it his human prerogative not only to manage the non white world but also to own it, just because by definition“ it ”is not quite as human as“ we ”are. There is no purer example than this of dehumanized thought”.

—Edward W. Said, Orientalism

“Orientalism is fundamentally a political doctrine willed over the Orient because the Orient was weaker than the West, which elided the Orient’s difference with its weakness[204] ”.

In introduction said says:

By Orientalism I mean several things, all of them, in my opinion, interdependent. The most

'readily accepted designation for Orientalism is an academic one, and indeed the label still serves in a number of academic institutions. Anyone who teaches, writes about, or researches the Orient-and this applies whether the person is an anthropologist, sociologist, historian, or philologist-either in its specific or its general aspects, is an Orientalist, and what he or she does is Orientalism. Compared with Oriental studies or area studies, it is true that the term Orientalism is less preferred by specialists today, both because it is too vague and general and because it connotes the high-handed executive attitude of nineteenth-century and early twentieth-century European colonialism. Nevertheless, books are written and congresses held with "the Orient" as their main focus, with the Orientalist in his new or old guise as their main authority. The point is that even if it does not survive as it once did, Orientalism lives on academically through its doctrines and theses about the Orient and the Oriental.

Q&A/Edward Said : Roots of the West's Fear of Islam

By KEN SHULMAN and INTERNATIONAL HERALD TRIBUNEMARCH 11, 1996

Born into a Palestinian Christian family in East Jerusalem in 1935, Edward Said, a professor of comparative literature at Columbia University, has written extensively on Middle East politics. He spoke recently with Ken Shulman in Percoto, Italy.

Q. Has the West's attitude toward Islam improved since you published "Orientalism" in 1978?

A. I don't think it has improved at all. In fact, it has decidedly worsened. If you look at how Islam is represented today in newspapers and on television, you see that it is still considered a threat, something that must be walled out. The Arab world is depicted as a place full of terrorists and fanatics.

Instead of expanding, the West's comprehension of the Arab world is contracting.

Q. What is the history of this anti-Arab prejudice?

A. The prejudice was created at the same time Islam was born, when Islam was a political and economic threat to Europe. It is no coincidence that Dante places Mohammed in the next to last circle of hell in his Divine Comedy, right next to Satan. In the Renaissance, we have the figure of Shylock, but we also have the figure of Othello.

It wasn't just the Jew who was suspect in Christian Europe. It was also the Arab. The Arab who was indolent, diabolic and dishonest. On one hand, this world of the Orient fascinated the Europeans. On the other, it terrorized them.

https://www.nytimes.com/1996/03/11/news/qa edward-said-roots-of-the-wests-fear-of-islam.html

Said: The sense of Islam as a threatening Other--with Muslims depicted as fanatical, violent, lustful, irrational--develops during the colonial period in what I called Orientalism. The study of the Other has a lot to do with the control and

dominance of Europe and the West generally in the Islamic world. And it has persisted because it's based very, very deeply in religious roots, where Islam is seen as a kind of competitor of Christianity.

by David Barsamian

بہاولپور یونیورسٹی کے حافظ سیف السلام ایڈورڈ سعید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ایڈورڈ سیدان مستشرقین کے منصوبوں کوان الفاظ میں واضح کرتے ہیں'' شرق شناسی ایک شعبۂ علم ہے، جس کی بنیاد پر مغرب میں مشرق کے بارے میں ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ایک رویہ متعین کیا جاتا ہے اور ایک نقطۂ نظر قائم کیا جاتا ہے گویا حصول علم، اور نئی کتابیں (مشرق کے بارے میں) دریافت کرنے کا ذریعہ ہے، پھر اس پر عملی کام بھی ہوتا ہے، اس کے علاوہ میں اس لفظ کو خوابوں، تصورات، خاکوں اور مجموعۂ الفاظ جو ہر کسی کے لیے ہیں اور مشرق سے متعلق مواد کا حامل سمجھتا ہوں۔(۳۳)

مستشرقین کے تلامذہ جو کہ اب ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، اور ان مستشرقین ہی کے دماغ و عقل سے سوچتے ہیں، وہ اس لحاظ سے نسبتاً زیادہ خطرناک ہیں کہ وہ مسلمان ہوتے ہیں، ان کی تحقیقات وتالیفات مسلمانوں کے حلقوں میں بہت جلد پہنچ جاتی ہیں اور وہ جو کچھ لکھتے ہیں ان پر اعتماد بھی کر لیا جاتا ہے، ایسے افراد کی تحریروں کا احاطہ کر کے تدارک بھی ضروری ہے۔

مستشرقین عام طور پر اپنی تحریروں میں یہ رویہ اپناتے ہیں کہ پہلے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے متعلق بڑے فیاضانہ انداز میں تعریفی کلمات کا ڈھیر لگا دیتے ہیں، جس سے اندازہ ہونے لگتا ہے کہ مصنف بڑے اچھے انداز میں اسلام کی تشریح پیش کر رہا ہے، اس کے بعد اسلام کے

خلاف ایسی بات کرتے ہیں جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف ہوتی ہے، سابقہ تعریفی کلمات کی بنیاد پر عام قارئین اس بات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

مستشرقین کی ان انتھک متحدہ کوششوں سے وہ علمی سرمایہ معرض وجود میں آیا ہے کہ آج مشرق و مغرب کے ادنی طالب علم سے لے کر بڑے مصنّفین تک جب بھی کوئی کسی موضوع پر کچھ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کسی حد تک ان مستشرقین کی تصنیف کردہ کتابوں سے استفادہ کرنا پڑتا ہے، اگرچہ وہ مسلم ہے اور اس کا ضمیر اس کی اجازت بھی نہیں دیتا؛ مگر اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارئہ کار بھی نہیں ہے۔

تحریک استشراق کا سب سے بڑا نقصان جو ملت اسلامیہ کو ہوا وہ یہ کہ مسلم امت میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو مستشرقین کو اپنا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھتا ہے اور ہماری زبان، تہذیب، تاریخ اور جملہ مشرقی علوم کو محفوظ رکھنا مستشرقین کی علم دوستی اور بے لاگ تحقیق کی دلیل سمجھتا ہے، جس کی وجہ سے آج قومی سوچ یہ بن گئی ہے کہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد بات وہ ہوتی ہے جو کسی مستشرق کے قلم سے نکلی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ مستشرقین کو اپنا مخلص قرار دیتے ہیں تو پھر ان کی کسی تحریر کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا ممکن ہی نہیں رہتا، ہماری اس سوچ کی وجہ سے ہمارے عوام وخواص کی اکثریت ان اصل عزائم ومقاصد سے بے خبر ہے جن کے تحت مستشرقین علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے، اس صورت حال سے مستشرقین زبردست فائدہ اٹھا رہے ہیں اور وہ مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کے رد عمل کے خطرے کے بغیر ان کے دین، ان کے معزز رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ہر مقدس شے پر مسلسل وار کر رہے ہیں

اب آپ کو سمجھ ائی ہو گی کہ ہمیں ایک گولڈزیھر سے واسطہ نہیں بلکہ ایک پورے گروہ سے ہے ، بلکہ ایک سوچ سے ہے جو اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔

رہی بات تاریخی حوالاجات سے احادیث نبوی کی حقانیت معلوم کرنے اور مستشرقین کے گمراہ کن الزامات کے رد کی تو اسکے شواہد بہت ہیں. اس پر ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب ہسٹری آف حدیث

میں لکھا ہے جسکا مختصر خلاصہ کچھ یوں ہے: حبشہ کی طرف جب کچھ مسلمانوں نے ہجرت کی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جو خط نجاشی کو لکھوایا اس دستاویز کے آخر میں آپکے الفاظ ہیں میں اپنے کزن جعفر کو آپکے پاس بھیج رہا ہوں جن کے ساتھ کچھ مسلمان بھی ہیں آپ ان سے اچھا سلوک کریں. ایک اور دلچسپ دستاویز اس زمانے کی جو موجود ہے وہ تمیم الڈرل ایک شامی ملاح کے بارے میں ہے جو عیسائی تھا اور اس نے مکہ آکر اسلام قبول کر لیا تھا اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہا تھا کہ اسے یقین ہے ایک دن مسلمان شام پر قابض ہوں گے جب ایسا ہو تو مجھے فلاں فلاں گاؤں جاگیر کے طور پر بخش دیا جائے، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس مضمون کی ایک تحریر لکھوا کر اسکو دی تھی جو اس وقت کی ایک پرانی تحریر ہے. اسی طرح اس تحریر کی دستاویز بھی موجود ہے جو خط آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے شراقہ ابن مالک کو لکھوا کر دیا تھا جو باحفاظت گزرنے کا راہداری پرمٹ تھا، یہ وہ شخص تھا جس نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دوران ہجرت مارنے کی نیت سے پیچھا کیا تھا اور پھر بعد میں مسلمان ہو گیا تھا. پھر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہجرت کرنے والے قریش اور مدینہ کے انصار کے درمیان بھائی بندھی کے اصولوں پر انکو ایک دوسرے کا ساتھی اس طرح بنایا کہ مہاجرین کی آبادکاری کا مسلہ بھی حل ہو گیا اور قریش ان پر بوجھ بھی نہیں بنے کہ وہ انکے کام میں بھی انکے ساتھی اور مددگار تھے. آپ صلعم نے مدینہ کے مختلف قبائل اور گروہوں کے درمیان میثاق مدینہ کروایا جس کی رو سے وہ سب مشترکہ طور پر دفاع مدینہ کے پابند تھے یہ ایک اہم دستاویز تھی. مدینہ کا آئین ایک اہم دستاویز تھی جس کے تحت کچھ اختیارات ایک مرکزی حکومت کو حاصل ہو گئے. قبائل اب اپنے طور پر کسی کے خلاف اعلان جنگ نہ کرنے کے پابند تھے. وہ اپنے قبیلے

میں خود انصاف کے ذمہ دار تھے جبکہ دو قبائل کے جھگڑے کا فیصلہ اب ایک مرکزی حکومت کے سپرد تھا. اس دستاویز کی کل ۵۲ شقیں تھیں اور کہا جاسکتا ہے ایک اسلامی ریاست کا یہ پہلا آئین تھا. ان سب شواہد سے گولڈ زیھر اور ساخت جیسے مغربی محققین کے موقف کی نفی ہوتی ہے.

یہ امتیاز اور خصوصیت دین اسلام ہی کو حاصل ہے کہ کسی بھی اور مذہب میں علم حدیث جیسی چیز موجود نہیں. ہم علم حدیث کا تقابلی موازنہ کسی اور سے نہیں کر سکتے.

یہ کہنا کہ نبی کریم کے زمانے میں احادیث لکھی نہیں جاتی تھیں یہ مفروضہ اب غلط ثابت ہو چکا ہے. گولڈ زیھر نے خود احادیث کے کئی صحیفوں کی موجودگی کا اعتراف کیا ہے.

خود حضرت صدیق اکبر کے پاس ۵۰۰ احادیث کا مسودہ تھا جس کو پھر انہوں نے اس خوف سے ضائع کر دیا کہ جو انہوں نے سنا ہے اسکا ذمہ تو وہ لے سکتے ہیں جو دوسروں سے سنا ہے اس میں اگر نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی طرف کوئی لفظ غلط منسوب ہو گیا تو بہت گستاخی ہو گی لہٰذا انہوں نے اسکو پانی میں بہا دیا، مگر اس سے ایک بات واضح ہو گئی کہ احادیث لکھی جاتی تھیں. اسی طرح حضرت علی نے بھی احادیث لکھوائی ہیں. مغربی محققین اور منکر احادیث کی یہ بات غلط ہے کہ یہ تین سو سال بعد لکھی گئیں تھیں. بخاری شریف کو سب سے پرانا نسخہ سمجھنا بھی غلط ہے. محمد اسماعیل بخاری اور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے دور کے درمیان کا جو وقت ہے اس میں امام بخاری کے استاد اور انکے استاد کے پاس بھی احادیث کا ذخیرہ مسودوں کی شکل میں موجود تھا

اسلامی علوم کے مغربی اسکالرز جس قسم کے تہذیبی ثقافتی اور مذہبی ماحول میں پروان چڑھے ہیں وہ اسلامی تہذیب سے بلکل مختلف ہے کیوں کہ ان کا تعلق اسلام سے نہیں لہٰذا وہ پورے طور پر نہ تو اسلامی تعلیمات کی برکات کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ انکو سراہ سکتے ہیں. گو اسلام اور عیسایت دونوں کی بنیاد عقائد پر ہے لیکن دونوں کا اظہار مختلف انداز میں ہوتا ہے. اسی طرح

سے دونوں کے مذہبی احکامات اور اصول اور قانون میں بھی فرق ہے. بلکہ حقیقت میں جہاں اسلام قوانین کا مجموعہ ہے اور ایک مسلمان کی روزمرہ کی زندگی اسکے تابع ہے عیسائیت میں ایسا نہیں ہے.

اسلامی قانون کا ماخذ قرآن اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کی سنّت ہے. پھر اجتہاد اور اجماع ہے جو کہ قرآن اور سنّت سے آزاد نہیں. اجتہاد کرنے والا کسی دنیاوی فائدہ کو دیکھ کر اسکو حاصل کرنے کی خاطر اجتہاد نہیں کرتا بلکہ وہ اللہ کی منشا کو سامنے رکھ کر قانون وضع کرتا ہے. اسلام کے قوانین پر آج بھی عمل ہوتا ہے اور اسلام کا قانون ایک قابل عمل حقیقت کے طور پر آج بھی زندہ ہے. اسلامی اقدار ایک خدا کی مرضی پر چلنے پر زور دیتی ہیں اور اسی خدا واحد سے اسلامی قانون منسوب ہے. اسکے برعکس عیسایت میں ایمان کے اظہار کے کوئی قانونی تقاضے نہیں جن پر روزمرہ عمل کرنا پڑتا ہو. اسی لئے ایسے قوانین کی تشریح کے لئے عیسایت میں فقہا بھی نہیں ہوتے. عیسایت میں ایسا نہیں کہ کوئی قانون نہیں ہوتا، چرچ کے وضع کردہ قانون ہوتے ہیں جنکو canon کہتے ہیں. مگر انکا منشا چرچ کو چلانا ہوتا ہے اسکا لوگوں کی سماجی اور معاشرتی زندگیوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا. جہاں اسلام میں قانون کی مرکزی حیثیت ہے وہاں عیسایت میں وہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے. اسلامی فقہ کے برعکس انکا دائرہ کار محدود ہوتا ہے اور عمل کی طرف میلان کم ہوتا ہے. عیسایت کا زور عمل پر نہیں اعتقاد پر زیادہ ہے. اسلام اللہ کی مرضی پر چلنے کی بات کرتا ہے تو عیسائیت اللہ کی ذات کو جاننے پر زور دیتی ہے. خدا کیا ہے؟ اسلام نے اس پر نہیں بلکہ خدا ہم سے کیا چاہتا ہے اس پر چلا جائے زور دیا ہے، اسی لئے اسلام کا نظام قانون بہت مضبوط ہے جبکہ عیسایت میں ایسا نہیں. پھر یورپ میں روشن خیالی کی تحریک نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور مذہب کو ریاست سے الگ کر دیا. لوگوں کی اپنی زندگیوں سے بھی رفتہ رفتہ مذہب ختم ہو گیا.

جدید سامراجیت اور نظریاتی محاذ

انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال اور غلامی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا انسان خود۔ غلام بنانے والوں اور آزاد رہنے کے خواہش مندوں کے درمیان اس جاری کشمکش کو دیکھ کر مجھے قران کریم کی یہ آیت یاد آتی ہے:

قَالَ اهْبِطُواْ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ. ٢٤ سُورَةُ الأعراف

نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم بعضے دوسرے بعضوں کے دشمن رہو گے اور تمھارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ایک مدت تک۔

اگر ہم انسانوں کی غلامی کا مطالعہ سترویں سے بیسویں صدی کی محدود حد تک ہی کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کس طرح مغربی سامراج نے باقی دنیا پر قبضہ کیا، مقامی لوگوں کو اپنا غلام بنایا اور نوآبادیاتی نظام کی بنیاد رکھی۔ کس طرح اپنی جکڑ کو مضبوط بنانے کی خاطر تعلیمی تحقیق کی آڑ میں اورینٹلسٹس سے کام لیا گیا جنہوں نے اپنے مذموم مقاصد کو پیش نظر رکھ کر مشرقی اجنبی معاشروں پر ریسرچ کی۔ وہاں کے رہنے والے لوگوں کی تاریخ، معاشرت، ثقافت اور مذاھب کا مطالعہ کیا اور ان معلومات سے حاصل ہونے والی مقامی لوگوں کی

کمزوریوں کو اپنے حق میں استعمال کیا. دین اسلام سے اگر انکو آئندہ چلنج درپیش ہونے کا احتمال ہوا تو ان نام نہاد اسکالرز نے تحقیق کے نام پر اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کیا اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توہین آمیز باتیں لکھیں تا کہ عوام الناس میں اسلام کو بدنام کیا جاسکے.

انیسویں اور بیسویں صدی میں اسلام پر تحقیقی مواد کتابی صورت میں شائع کیا جاتا تھا اور اس دور میں یہ محقق اپنی غیر جانبداری کا بھرم رکھنے کی کوشش بھی کرتے تھے.

پھر حالات نے کروٹ لی اور دو عالمی جنگوں نے جو کچھ ہی عرصہ میں یکے دیگرے بعد ہوئیں مغرب آگ اور خون میں نہا گیا. اور یوں اسکی گرفت سے غلام ممالک کو نکلنے کے مواقع پیدا ہوے. آزادی کی تحریکوں کے آگے مغربی سامراجی طاقتوں کی قوت کمزور پڑ گئی اور رفتہ رفتہ انکو یہ علاقے خالی کرنا پڑے. یوں نو آبادیاتی نظام کا خاتمہ ہو گیا.

دنیا میں نئی حقیقتوں نے جنم لیا. امریکا اور روس دو عالمی قوتوں کی صورت میں ابھرے. ان دونوں کے درمیان بالا دستی کے لئے سرد جنگ کئی عشروں جاری رہی. بلآخر مغربی موقف اور اسکا موثر پروپیگنڈا غالب آیا اور اس نے نظریاتی محاذ پر روس کو پسپا کر دیا. روس اپنا بوجھ نہ سہار سکا اور اسکے ساتھ جڑی ریاستیں آزادی مانگنے لگیں. اسکے کئی علاقے آزاد ہو کر نیے ممالک بن گئے.

اپنی اس کامیابی کے بعد امریکا کی دنیا پر واحد سپر پاور کے طور پر نظریاتی اور عسکری بالا دستی قائم ہو گئی. اکیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی ڈرامائی تبدیلیاں دیکھنے کو نظر آئیں. نظریاتی کشمکش نے مرکزی حیثیت حاصل کر لی. جدید الیکٹرانک میڈیا میسر آنے کی وجہ سے سینکڑوں ٹی وی چینلز اور ہزاروں سوشل میڈیا ویب سائٹس نے جنم لیا. انٹرنیٹ سے مغرب کو مسلمان نوجوان کے ذہن تک رسائی حاصل ہوئی. انہوں نے انٹرنیٹ پر ہزاروں کی تعداد میں قائم ویب پیجز کو مسلمان نوجوانوں کے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں تحسین کے

جذبات سے بھرا ہوا پایا. اس انکشاف نے مغربی پالیسی سازوں کو حیرت اور تشویش میں مبتلا کر دیا. احیاء اسلام کی تحریک کا ابھرتا ہوا خطرہ انکو محسوس ہوا. انکو پہلی دفعہ اندازہ ہوا اسلام کس قدر زندہ اور متحرک ہے.

اب انکے پالیسی سازوں کو فکر ہوئی کہ مستقبل میں ہمیں چیلنج کہاں سے در پیش ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے ایک حکمت عملی اپنائی. اسلام کے خلاف نظریاتی جنگ کا آغاز کر دیا. اسے ایک نیے دشمن کی تلاش بھی تھی. انہوں نے کیمونزم کے بعد اسلام کو اپنا نظریاتی دشمن ہونے کا اعلان کر دیا. مختلف اسلامی ممالک میں تیزی سے ابھرتی اسلامی احیاء کی تحریکیں انکے لئے پریشانی کا باعث تھیں. ان حالات میں امریکی پالیسی سازوں نے کافی سوچ سمجھ کر ایک حکمت عملی کے تحت اسلام کے خلاف عسکری اور نظریاتی جنگ کی منصوبہ بندی کی. اسی کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر بہانہ ڈھونڈھنے کیلئے امریکا نے نیو یارک میں اپنے ٹوئن ٹاور خود گرا دیے.

اس نظریاتی جنگ کے بارے میں جو اسلام کے خلاف ہے اور مسلمانوں پر تھوپی گئی ہے کے بارے میں مغرب کا میڈیا کیا کہتا ہے اس کے کچھ حوالے پیش خدمت ہیں

Until the United States understands and confronts Islamist ideology, it will not be able to slow the Islamist revolution and its destructive effects.

Fighting the Ideological War: Winning Strategies from Communism to Islam

Katharine Gorka and Patrick Sookdheo

Radical Islamic terrorism, they say, is precisely what it sounds like: terrorism rooted in radical interpretations of Islam. As a political-religious ideology, it must primarily be combatted not at the level of drone strikes or even immigration restrictions, but at the level of ideas. And as a political-religious ideology, it poses a threat to the Judeo-Christian values and liberal democracy that characterize Western civilization. The long war against radical Islamic terrorism, they assert, is nothing less than the defining struggle of our time.

America's Two-Front War of Ideas

URI FRIEDMAN

MAR 3, 2017

Washington is getting enthusiastic about an ideological war these days: not between Democrats and Republicans — that’s old news — but rather between Americans and radical Islam.

An ideological war America must watch, not fight

By Fareed Zakaria February 26, 2015

Speaking in Youngstown, Ohio, on August 15, 2016,Republican presidential candidate Donald Trump gave a speech on what he unequivocally referred to as "radical Islam." He declared: Nor can we let the hateful ideology of radical Islam—its oppression of women, gays, children, and nonbelievers— be allowed to reside or spread within our own countries . [W]e must use ideological warfare as well. Just as we won the Cold War, in part, by exposing the evils of communism and the virtues of free markets, so too must we take on the ideology of radical Islam

The Challenge of Dawa Political Islam as Ideology and Movement and How to Counter It

Ayaan Hirsi Ali

دنیا کے ایک ارب مسلمانوں سے محاذ آرائی کوئی معمولی بات نہ تھی. اب دہشت پر جنگ جیسی نئی اصطلاحات وضع کی گئیں اور ایک بن دیکھے دشمن پر لامحدود عرصہ تک لڑی والی جنگ کا اعلان کر دیا گیا. دنیا پر تسلط قائم کرنے کے لئے نیے نظریے پیش کئے گئے. جن میں پیشگی حملہ کرنا اور جیو گرافیائی سرحدوں کو اس ضمن میں بے معنی قرار دینا شامل تھا.اسی حکمت عملی کے تحت افغانستان پر حملہ کر دیا گیا اور وہاں پر امریکا کے مستقل قیام کا بندوبست کیا گیا.

اسی کے تحت عراق کو تباہ کر دیا گیا اور وہاں امریکی اثر قائم رکھا گیا۔ اسی حکمت عملی کے تحت لیبیا شام اور یمن کو برباد کر دیا گیا۔

عسکری محاذ کے ساتھ نظریاتی محاذ بھی کھولے گئے۔ اسلام کے خلاف جو کام انیسویں اور بیسویں صدی میں صرف مستشرقین کرتے تھے اب اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا عام ہو گیا اور اس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ اسلام کے خلاف ایک حکمت عملی کے تحت سینکڑوں کتابیں لکھوائی گئیں۔ ہزاروں ویب سائٹ انٹرنیٹ پر قائم کی گئیں اور ذرائع ابلاغ پر اسلامی شعار کے خلاف مہم چلائی گئی۔ توہین آمیز خاکے بنائے گئے اور فلمیں تیار کی گئیں۔ اسلام پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔

یہاں سے انسانیت کے لئے غلامی کی ایک جدید شکل نے جنم لیا۔ کسی بھی فورم پر ہولوکاسٹ کو برا کہنا اور جہاد کو اچھا کہنا جرم ہے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپکو سخت سزا دی جاسکتی ہے۔ یہ بھی اسی دور کی آزادیاں سلب کرنے کی نئی شکل ہے کہ اپ جن مواصلاتی ذرائع کو استعمال کرتے ہیں، جیسے فیس بک، ٹویٹر، واٹس اپ، یا کچھ اور ان سب پر آپ کی نگرانی کی جاتی ہے ڈیٹا جمع کیا جاتا ہے اور ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا ہے۔ آپکی کی شخصیت کا مکمل پروفائل تیار ہوتا ہے، جو بوقت ضرورت استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسکے علاوہ اسکا تجارتی استعمال بھی ہے، آپکی پسند اور ناپسند کو نوٹ کیا جاتا ہے۔ آپکے بارے میں معلومات گوگل ہو یا فیس بک یا کوئی اور آگے فروخت کرتے ہیں۔ اپنے دیکھا ہو گا آپکو اسی پسند کے مطابق پھر اشتہار آتے ہیں۔

انسان کو نئی ترکیبوں سے غلام بنایا جا رہا ہے۔ کبھی اسکے فنگر پرنٹ لئے جاتے ہیں تو کبھی ایئر پورٹس پر انکی تصویر لیکر اسکی آنکھ کی پتلی کے عکس کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اسکے سامان کو کھول کر دیکھا جاتا ہے اور انکو جوتے اتارنے اور مشینوں میں سے گزرنے کا کہا جاتا ہے۔ اسکے باوجود کسی ملک کی مرضی ہے وہ آپکو ائیر پورٹ ہی سے لوٹا دے۔ انسان جدید طریقوں سے غلامی میں جکڑا جا رہا ہے۔

اب دنیا کو اپنا زیر نگیں رکھنے والوں کو آپکے ملک میں آنے کی ضرورت نہیں انہوں نے آپکے ہی ملک میں آپ ہی میں سے اپنے وفاداروں کا بندوبست کر لیا ہے جو انکے تعاون سے آپ پر حکمرانی کرتے رہیں گے.

آزادی اور غلامی کے درمیان ازلی کشمکش جاری ہے. اگر آزاد رہنا ہے تو غفلت سے بیدار ہونا ہوگا اور اپنی حفاظت اور آزاد رہنے کے نیے طریقے دریافت کرنے ہونگے.

ناپاک جنگ نامی کتاب جو ۲۰۰۱ میں چھپی اس میں مصنف ریںڈل پرائس کہتے ہیں:

امریکا اور اسرائیل جو جنگ لڑ رہے ہیں اس کو صرف دہشت گردی کے خلاف جنگ کہنا سادگی ہوگی. بلکہ یہ ان دہشت گردوں کے خلاف ہے جو اسلام کے ماننے والے ہیں. مشرق وسطی میں جو مسلہ ہے وہ مذہب ہے.

لبرل خیالات کے مالک دانش ور باسم ٹبی کہتے ہیں بنیاد پرستی کا چیلنج، اسلامی بنیاد پرستی کا چلنج ہے جو سیکولر نظام اور اس سے وابستہ سیاست کو خدائی نظام، نام نہاد حکمت الہیہ سے بدلنا چاہتے ہیں. یہ نظام کسی مقامی علاقے کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ انکا نیو ورلڈ آرڈر ہے، جو وہ موجودہ نظام کی جگہ لانا چاہتے ہیں. اس روشنی میں دیکھا جائے تو اسلامی بنیاد پرستی دنیا کی سیاست کے موجودہ معیار کے لئے بہت گمبھیر چیلنج ہے.

اسی ذہنی سوچ کو آگے بڑھاتے ہوے مور تھی مٹھو سوامی اپنی کتاب "سیاسی اسلام کو شکست کیسے دیں" میں لکھتا ہے: اب یہ بات صاف عیاں ہو جانی چاہیے کہ نہ یقین کرنے والے (کافر) ریڈیکل اسلام کے خلاف نہیں بلکہ سیاسی اسلامی تحریکوں کے خلاف مصروف جنگ ہیں. پھر وہ کہتا ہے یہ بڑھیا مغربی کلچر تھا جس کی وجہ سے مغرب سرد جنگ جیتا تھا، روس کے باشندے ہی تو تھے جو مغربی کلچر کی نقالی کر رہے تھے. مغرب والے تو کلچر میں روسیوں کی نقل نہیں کر رہے تھے.

یہ بات مغربی تہذیب کے بارے میں سعودی عربیہ، ایران اور دوسرے اسلامی ممالک پر صادق آتی ہے، یہ مسلمان ہیں جو مغربی تہذیب کو اپنا رہے ہیں نہ کہ مغرب انکی تہذیب کو. یہ بات اس پہلو کی نشاندھی کرتی ہے کہ سیاسی اسلام کے پیروکاروں کو کس پالیسی کے تحت اپنی طرف کیا جاسکتا ہے

رائیٹر پیٹرک سوخدیو اپنی کتاب "اسلامیزم کے نظریاتی چیلنج کا سامنا" میں کہتی ہیں: ترقی پسند عرب دانشور پہلے ہی نظریاتی جنگ لڑ رہے ہیں، انکے خیالات کو پھیلانے، ان پر بحث کرنے اور انکو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے بلکہ ان پر عمل درامد بھی کیا جانا چاہیے اگر ہم نے اچھی طرح کے ساتھ انتہاپسندی سے نبٹنا ہے.

یہ جنگ جیو گرافیائی جگہوں پر ہو گی، میڈیا پر ہو گی، قانونی اور سیاسی اداروں میں ہو گی حتی کہ دوستوں اور خاندانی افراد کے درمیان ہو گی. بے شک اصل اور دوررس نتائج کی حامل جنگ کا میدان کوئی علاقہ یا مقام نہیں ہو گا، یہ نظریاتی ہو گی.

۱۹ مئی ۱۹۹۰ کی ایک رپورٹ میں جو امریکی ایوان زیریں میں پیش کی گئی میں وارننگ دی گئی کہ "مسجد" ہی آج کی مغرب دنیا کے خلاف مسلح جہاد اور انتہا پسندی کی آماجگاہ ہے. بنیاد پرستانہ اسلامی احیا کی تحریک اور مغرب کی معیشت کے لئے تیل کی ترسیل کی اہمیت اور مشرق قریب میں احیا اسلام کی جدوجہد ملکر اسکو اسلام اور یہود و نصاریٰ کے درمیان پہلے فیصلہ کن تصادم میں تبدیل کر رہے ہیں".

بقول آموس پرل مٹر، اسلام کی اصل فطرت صرف یہی نہیں کہ وہ جمہوریت کے خلاف ہے بلکہ وہ سارے سیاسی جمہوری کلچر کے خلاف سخت جارحانہ عزائم رکھتا ہے. یہ ایک خونریز تحریک ہے جو کیمونسٹوں، نازیوں اور فاشسٹوں سے ملتی جلتی ہے. یہ سیکولر عیسائی مغرب کے ساتھ کبھی سمجھوتہ کر ہی نہیں سکتے. لہذا امریکا کو کوشش کرنی چاہیے کہ پیدا ہونے سے پہلے ہی اس تحریک کو نیست و نابود کر دے."

مشہور رائیٹر سمیول ہنٹنگٹن کہتا ہے: "یہ مغرب اور اسلام کے درمیان ایک صدی سے چلا آرہا فوجی جھگڑا کم نہیں ہوگا، یہ آنے والے دنوں میں مزید شدت اختیار کر سکتا ہے."

لفٹننٹ جنرل مائک فلین جو افغانستان میں کمان کر چکا ہے، اس نے ایک کتاب لکھی ہے، نام ہے "لڑائی کا میدان" اس کتاب میں اسکا کہنا ہے:

" میں انکو جانتا ہوں، اور وہ مجھے خوفزدہ کرتے ہیں، میں ایک ایسا آدمی ہوں جس کو آسانی سے ڈرایا نہیں جا سکتا. میں ان سے خوفزدہ ہوں اس کے باوجود کہ ہم انکو شکست دے چکے ہیں، جب بھی ہم نے انکے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ جنگ کی ہم نے انکو شکست دی. ہم نے القاعدہ کو ہرایا اور ایرانیان کو عراق میں. شکست دی اور طالبان اور انکے حامیوں کو افغانستان میں ہرایا . پھر بھی وہ لڑتے رہے اور ہم واپس ہو گئے. ہمکو سامنا کرنا چاہیے حقیقت کا، اب ہم ہار رہے ہیں، اور میں ایک بہت بڑی جنگ کی بات کر رہا ہوں، صرف شام عراق اور افغانستان کی بات نہیں کر رہا.

"ہمیں اسلامیوں پر ہر جگہ اور ہر طریقے سے حملہ آور ہونا چاہیے. اور اسمیں انکے بد نظریات پر حملے بھی شامل ہیں، ہمیں انکے نظریات کی ناکامیوں کا ذکر کرنا چاہیے".

"اور ایسا کرتے ہوے ہمیں ندامت کا تھوڑا سا بھی خیال نہیں آنا چاہیے، جب ہم انکا نام لیں اور انکی شناخت جنونی قاتلوں کے طور پر کروائیں جو اپنی ناکام تہذیب کی خاطر لڑتے ہیں".

سی این این رپورٹ کرتا ہے کہ اگست ٢٠١٦ میں احاواتھ تورہ کونگریگشن سے خطاب کرتے ھوے لفٹننٹ جنرل مائک فلین نے کہا :

"ہمیں ایک اور ازم کا سامنا ہے، جس طرح کہ ہم نے نازی ازم، فاشزم کیمونزم اور شہنشاہیت کا سامنا کیا، یہ اسلام ازم ہے، یہ ایک زہریلا کینسر ہے جو ۱.۷ بلین مسلمانوں کے جسموں میں پل رہا ہے، اسے ہمیں ضایع کرنا ہوگا".

مڈل ایسٹ فورم کے پالیسی اور ریسرچ شعبے کے سینئر نائب صدر پال سالم کہتے ہیں:

"عرب اور مسلمان دنیا کے مستقبل کی لڑائی جو آج لڑی جارہی ہے اسکا فیصلہ کسی میدان جنگ میں نہیں بلکہ کلاس روم میں ہوگا".

مراکش کی الاخوان یونیورسٹی کے احمد کابیل کہتے ہیں: اسلامک دہشت گردی کو شکست دینے کے کان بہرہ کر دینے والے شور کے درمیان، ایک تیز و تند مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان دنیا کا تعلیمی نصاب تبدیل کروادیا جائے. امریکا میں موجود اسلامی فوبیا کا شکار نیولبرل تعلیم کے حمایتی امریکی نوسامراجی منصوبوں کی تکمیل کے لئے ایسا کرنا ضروری خیال کرتے ہیں. وہ چاہتے ہیں کہ دنیا پر امریکی استعمار کی حکمرانی قائم رکھنے کے لئے مسلم ممالک کی تعلیم میں کلچرل اور ذہنی تصورات کی تبدیلی ناگزیر ہے. احمد اسکو تعلیمی استعماریت کہتے ہیں جو اسلام سے بیزارگی اور نئی آزادخیالی کے ساتھ ملی ہوئی ہے.

امریکی وزارت دفاع کا اپنی رپورٹ میں کہنا ہے "امریکا ایک ایسی جنگ لڑ رہا ہے جو فوجی بھی ہے اور نظریات کی جنگ بھی ہے، اس جنگ میں آخری فتح اسی وقت حاصل ہوگی جب انتہا پسند نظریات مسلمانوں کی اپنی نظروں میں گر جائیں گے اور وہاں کی آبادیاں ہماری معنوی حمایت کرنے لگیں گئیں.

ہم نے مسلم دنیا میں سروے کئے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ امریکی حکومت اور اسکے اتحادیوں کو سب سے پہلے دوٹوک فیصلہ کرلینا چاہیے کہ وہاں پر موڈریٹ مسلمانوں کے نیٹ ورک بنانے ہیں اور انکے ہدف اور امریکی حکمت عملی میں تال میل پیدا کرنا ہے...........

نیٹ ورک بنانے میں سب سے پہلے کور گروپ پر توجہ دینی چاہیے وہ لوگ جو قابل اعتماد ہوں اور انکے نظریات ہمیں معلوم ہوں کہ وہ ہمارے باعتماد ساتھی ثابت ہوں (یہ زیر زمین تنظیموں کے طریقہ کار کے مطابق ہو) ایک دفعہ انکی نظریاتی وابستگیاں اچھی طرح ثابت جو جائیں پھر انکو کچھ حد تک مقامی سطح پر خود مختاری دے دی جائے.

ہمیں سوشل سیکٹر کو فراموش نہیں کرنا چاہیے. لبرل اور سیکولر مسلم دانشور اور اہل علم، نوجوان موڈریٹ مسلم سکالرز، عورتوں کی انجمنیں اور سماجی سر گرم کارکن اور موڈریٹ صحافی سب کو ہمیں اولیت دینی چاہیے

اسلامی ممالک میں نظریاتی رجحان کو مد نظر رکھتے ہوے، ہمارے ممکنہ ساتھی تین طبقوں میں مل سکتے ہیں

١. سیکولر مسلمان

٢. لبرل مسلمان

٣. موڈریٹ روایت پسند بلشمول صوفی

موڈریٹ روایت پسند اور صوفی مسلمانوں میں سب سے بڑا طبقہ ہیں. یہ عام طور پر قدامت پسند ہیں اور ١٤٠٠ سالہ اسلامی تاریخ میں ہونے والے اعتیقادی اور روحانی ارتقا کے نظریاتی پیروکار ہیں .

ہماری تحقیق کے مطابق یہ حقیقت ہے کہ سلفی اور وہابی صوفیوں کے ازلی دشمن ہیں. جب بھی بنیاد پرست اسلامی تحریکوں نے زور پکڑا ہے تو انہوں نے روایت پسند مسلمانوں اور صوفیوں کے طریقوں کو دبایا ہے. جیسا کہ سعودی عربیہ میں اسلامی آثار کی تباہی سے ظاہر ہے .بس سلفی اور وہابیوں کے خلاف مقابلے میں روایتی مسلمان اور صوفی مغرب کے فطرتی اتحادی ہیں، اس حد تک جس حد تک جس حد تک کہ ہمارے انکے ساتھ مشترکہ مقاصد طے ہوں.

کیا ہم موجودہ دور کو نیو نو آبادیاتی دور کہہ سکتے ہیں ؟اب فزیکل تسلط کی جگہ قبضہ بذریعہ پراکسی نے لے لی ہے اور جہاں اپنی حمایت یافتہ حکومت نہ ہو یا مخالفت کرنے والی ہو تو پھر ان کے اوپر پابندیاں لگائی جاسکتی ہیں. اسکے علاوہ دوسرے یعنی ترقی پذیر ممالک میں ناپسندیدہ حکومتوں کے تختے بھی الٹے جا سکتے ہیں اس لحاظ سے موجودہ دور یقینن نیو کولونیل ازم ہے..اب جب پوری دنیا میں ذریعہ ابلاغ کی سہولت تمام نوجوان نسل کو میسر ہے اور ان سے باہمی رابطہ ہو سکتا ہے ان تک اپنی بات پہنچائی جاسکتی ہے تو حکمت عملی میں بھی تبدیلی لائی گئی ہے.اس دور میں اورینٹل ازم سے کام نہیں چل سکتا.اسی وجہ سے اب پروپیگنڈا اور اسلاموفوبیا کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے.اب علمی مباحثہ کی جگہ الزام تراشی، جھوٹ، نفرت اور ڈس انفارمیشن نے لے لی ہے. اب اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں توہین آمیز مواد پیش کرنا معمول کی بات ہے. ایسے سوالات ترتیب دیے گے ہیں جو مسلمان نوجوان کو پریشان کردیں..

اسلام کے خلاف پہلے مستشرقین زہر اگلتے تھا اب یہ عام ہوگیا اورینٹل ازم اب اسلاموفوبیا میں بدل چکا ہے

گو قدرت نے انسان کے شر پر قابو رکھنے کے لئے بہت سے طریقے اختیار کئے ہے جیسے سب کو خوشحال نہیں بنایا، سب کو کثیر اولاد سے تقویت نہیں دی، سب کو ایک جیسا رزق نہیں دیا، سب کو ایک جیسی عمر بھی نہیں دی کہ پھر شائد شر بہت زیادہ ہوتا

ارشاد باری تعالی ہے

(وَلَوْ بَسَطَ اللَّـهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَـٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ (٢٧)...سورة الشورىٰ

اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے، وہ اپنے بندوں سے پورا خبر دار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔

اس سب کے باوجود جہاں انسان کو دوسرے انسان پر زور زبردستی کا موقع ملتا ہے وہ اپنے جیسے انسان پر ظلم کرتا ہے. انسانی رویہ میں اعتدال اور توازن تب آسکتا ہے جب سب انسان ایک ہی قانون کے تابع ہوں تاکہ ایک بالا دست کمزور پر ظلم نہ کرسکے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب سب میں برابری ہو اور برابری تب ہی ممکن ہے جب انسانوں کے بنا ہے ضابطوں کو چھوڑ انسان اللہ کے دیے قانون کے نیچے اسکا نائب بن کر رہے اسی صورت میں وہ دوسروں پر ظلم زیادتی سے باز رہ سکتا ہے

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى. ١٢٣ سُورَۃُ طٰه

فرمایا تم دونوں یہاں سے نکل جاؤ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہے پھر اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچے پھر جو میری ہدایت پر چلے گا تو گمراہ نہیں ہو گا اور نہ تکلیف اٹھائے گا.

احادیث کی ضرورت اور اہمیت کیوں ہے؟

احادیث دین اسلام کے احکامات ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہیں

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو جاننے کا ایک اہم ترین ذریعہ ہیں

اللہ تعالی کا ارشاد ہے"

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ. سُوۡرَةُ الشَّرح

اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا

بلاشبہ احادیث مبارکہ کا بیان کرنا نبی کریم کے ذکر کو بلند کرنے کا ایک طریقہ ہے

یہ احادیث دین اسلام کے اصول فقہ کے بہت سارے قوانین کی بنیاد ہیں

قران کریم کے احکامات کو نبی کریم کی سنّت اور انکے ارشادات کی روشنی ہی میں سمجھا جا سکتا ہے.

قران کریم اور نبوت کا آپس میں گہرا تعلق ہے

سید مودودی لکھتے ہیں:

"قرآن شریف میں صاف طور پر تین چیزوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حکمِ خدا۔ دوسرے حکمِ رسول، تیسرے مسلمان حکام اور فرماں رواؤں کے احکام۔ اگر محض قرآن کا اتباع کافی ہوتا اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کے اتباع کی حاجت نہ ہوتی تو رسول اور حکام

(اولی الامر ؛ بشرطیکہ ان کے احکام خدا اور رسول کے احکام سے اصولی مطابقت رکھتے ہوں) کی اطاعت کا حکم ہی نہ دیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنہا کتاب اللہ کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ رسالت کا رشتہ ناقابل انقطاع ہے۔ اور احکام رسول کی اطاعت اور اسوہ رسول کی پیروی بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح خود

کتاب اللہ کے احکام کی اطاعت فرض ہے۔"

قرآن کریم کی آیات سے ایسی ہی ہدایات کا حکم ملتا ہے

و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیہم - (النحل :44)

"اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) نازل ہوئے ہیں وہ لوگوں سے بیان کردو"۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی- (النجم:3-4)

('اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے جو کہتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے"۔

اسی لئے فرمایا:

من یطع الرسول فقداطاع اللہ - (النساء :80)

جس نے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر- (النساء :59)

"پس اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو"۔

معلوم ہوا کہ اسلام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا نام ہے

ہدایت کا دامن آپ کی پیروی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ پس جب یہ دونوں چیزیں رسول اللہ کے اتباع اور آپ کے نمونہ حیات کی تقلید کے ساتھ وابستہ ہیں تو لازم ہوا کہ سیرتِ نبوی کے وہ پاک نمونے بھی قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہیں جن سے رسولِ اکرم کے ہم عہد لوگوں نے ہدایت پائی تھی، ورنہ بعد کی نسلوں کے لیے ہدایت ناقص رہ جائے گی۔

اگر اسوہ رسول باقی نہ رہتا، اگر رسول اللہ کے احکام باقی نہ رہتے، اگر ہدایت کا وہ پاک سرچشمہ بند ہو جاتا جو رسول اللہ کی سیرت میں تھا، تو محض کتاب اللہ سے دنیا کی ہدایت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اگر کتاب کے نزول کے بعد آثارِ رسالت کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہے تو سرے سے نزول کے لیے رسالت ہی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خدا کی حکمت پر کھلا ہوا طعن ہے۔ اور اگر تنزیل کے ساتھ رسالت کا ہونا لازم ہے تو یقیناً اس کے ساتھ آثارِ رسالت کا رہنا بھی لازم ہے۔ بغیر آثارِ رسالت کے تنہا کتاب اللہ موجبِ ہدایت نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ آپ باآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آثارِ رسالت محو ہو جاتے تو مسلمانوں کا حشر ان قوموں کا سا ہو جاتا جن کے پاس بجز افسانوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ لوگ کہتے کہ جس شخص پر تمہارے قول کے مطابق یہ کتاب نازل ہوئی ہے اس کے حالات تو بتاؤ کہ ہم ان کو جانچ کر دیکھیں کہ آیا فی الواقع وہ رسولِ خدا ہونے کے قابل تھا بھی یا نہیں۔ مگر ہم انہیں کچھ نہ بتا سکتے۔ لوگ کہتے کہ تمہارے پاس قرآن کے دعوے کی تائید میں کونسی ایسی خارجی شہادت ہے جس سے تمہارے نبی کی نبوت ثابت ہو سکتی ہو؟ مگر ہم کوئی شہادت نہ پیش کر سکتے۔ ہم کو خود یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ کب اور کن حالات میں قرآن نازل ہوا، کس طرح رسول اللہ کی شخصیت اور آپ کی پاک زندگی کو دیکھ کر لوگ فوج در فوج ایمان لائے، کس طرح آپ نے نفوس کا تزکیہ کیا، حکمت کی تعلیم دی۔ کس طرح آپ نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں تنظیم اور اصلاح کا وہ زبردست کام انجام دیا اور شریعت کا وہ ہمہ گیر اور حکیمانہ ضابطہ بنایا جو محض انسانی عقل

کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنتِ رسول کا رہنا قطعاً ضروری اور ناگزیر ہے۔ سید مودودی

کیا سنّت کے بغیر قران کریم کو سمجھا جا سکتا ہے ؟

قرآن کو اگر ہر شخص اپنی اپنی عقل کے مطابق کی سمجھے گا، جبکہ عقل بھی سب کی برابر نہیں ہوتی، تو یہ سرچشمہ ہدایت وحی اور کلام الٰہی ہونے کے باوجود ہر فرد کے لئے اسکی عقل کے مطابق الگ الگ مفہوم تشریح اور تفسیر میں ڈھل کر ایک امّت کے تصور ہی کو ختم کر دے گا. پھر تو سات فرقوں کی جگہ پر شائد سات سو فرقے بن جائیں. یہی وجہ ہے قران کی تشریح اور تفسیر نبی کریم ہی حیات طیبہ ہے اور ہمیں اللہ شکر کرنا چاہیے کہ اسکے آثار ہم تک خوب حفاظت کے ساتھ پہنچے ہیں. الحمدللہ.

اس موضوع پر رانا اویس سلفی لکھتے ہیں

سنت کے بغیر قرآن حکیم کو سمجھنا ممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے بعد سب سے زیادہ تاکید "اقامت الصلوۃ" کی فرمائی مگر سنت کے بغیر اس حکم پر عمل بھی ممکن نہیں چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

حفظوا على الصلوت والصلوة الوسطى (البقرة:238)

(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو)

"وسطی نماز سے کیا مراد ہے جب تک نمازوں کی کل تعداد معلوم نہ ہو وسطی نماز کیسے معلوم ہو سکتی ہے نمازوں کی تعداد کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں معلوم ہوا کہ وحی خفی کے ذریعے سے مسلمانوں کو اطلاع دی ہوئی تھی اسی طرح فرمایا:

و اذا ضربتم فى الارض فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوة۔ (النساء :101)

"جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو"۔

اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کو سفر میں کتنا کم کیا جائے پھر نماز کے کم کرنے کا تصور اسی صورت ممکن ہے جب یہ معلوم ہو سکے کہ پوری نماز کتنی ہے یہ بھی فرمایا:

فان خفتم فرجالا او رکبانًا فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم مالم تکونوا تعلمون۔ (البقرۃ:239)

اگر تم کو خوف ہو تو نماز پیدل یا سواری پر پڑھ لو لیکن جب امن ہو جائے تو اسی طریقہ سے اللہ کا ذکر کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا اور جس کو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

اس آیت میں واضح ہے کہ نماز پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ مقرر ہے جو بحالت جنگ معاف ہے اس طریقہ تعلیم کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا نماز کا طریقہ اور اس کے اوقات وغیرہ قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں پھر اللہ نے کیسے سکھایا، معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آئی ہے یہ آیت قابل غور ہے:

یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع۔ (الجمعۃ:9)

اے ایمان والو! جب تم کو جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آیا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کا اہتمام باقی دنوں کے علاوہ خاص درجہ رکھتا ہے اس نماز کا وقت کونسا ہے؟؟؟— بلانے کا طریقہ کیا ہے؟؟— اس کی رکعات کتنی ہیں؟؟؟— قرآن مجید اس سلسلہ میں خاموش ہے اور کوئی شخص آیات قرآنی کے ذریعے نماز کی تفصیل نہیں جان سکتا جب تک وہ حدیث کی طرف رجوع نہ کرے۔

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قرآن مجید کا مفہوم حدیث کے بغیر سمجھنے میں غلطی کھا سکتے ہیں؟

یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قرآن مجید کا مفہوم سمجھنے کے لئے حدیث رسول کے محتاج ہیں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی؟

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولئک لہم الامن وہم مہتدون۔ (الانعام :82)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے اندر ظلم کی ملاوٹ نہیں کی، وہی امن والے ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے چھوٹے بڑے تمام گناہوں کو ظلم سمجھا اس لئے یہ آیت ان لوگوں پر گراں گزری لہٰذا عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں ایسا کون ہے کہ جس نے ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نہ کیا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے فرمایا اس ظلم سے مراد عام گناہ نہیں بلکہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے کیا تم نے قرآن حکیم میں لقمان کا یہ قول نہیں پڑھا:

"ان الشرک لظلم عظیم"۔

شرک ظلم عظیم ہے۔ (بخاری و مسلم

براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اسلام کی تعلیم دی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے "براہ است" تربیت یافتہ تھے لہٰذا صحابہ معیاری مسلمان تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے "اقوال وافعال رسول" تابعین نے اخذ کئے اور محدثین نے ان کو جمع کیا یہ تمام ادوار اسلام کے عروج کے ادوار ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہترین زمانے قرار دیئے سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق اور منہج سے وہی شخص انکار کرتا ہے جو قرآن مجید کی من مانی تفسیر کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين لہ الهدى و يتبع غير سبيل المؤمنين نولہ ما تولى و نصلہ جهنم وساء ت مصيرا۔ (النساء :115)

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

مومنین کے رستے سے مراد اسلام کی وہ تعبیر و تفسیر ہے جس پر قرون اولی کے مسلمان جمع تھے وہ منہج جس میں مردوں سے استغاثہ قبر پر چلہ کشی اور فیض حاصل کرنے کی، اور امر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کی رائے کی کوئی حیثیت یا شریعت کے مقابلے میں دنیا کے کسی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کی گنجائش نہ تھی۔

حوالہ: حدیث کی ضرورت، حُجّیتِ اور تدوین کا ایک مختصر تعارف۔

http://magazine.mohaddis.com/shumara/105-sep2002/1610-fitna-inkar-hadees-tardeed-hujiyat-hadees-mazameen-isharia

قرآن کا نبوت سے کیا رشتہ ہے؟

سید ابو الاعلیٰ مودودی کہتے ہیں:

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس سے پہلے تمام آسمانی کتابوں کو رسولوں کے واسطے سے کیوں نازل کیا؟ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ مطبوعہ کتابیں یکایک زمین پر اتار دیتا اور ان کا ایک ایک نسخہ نوعِ بشری کے ہر فرد کے پاس آپ سے آپ پہنچ جاتا؟ اگر وہ اس پر قادر نہ تھا تو عاجز تھا؟ اس کو خدا ہی کیوں مانیے؟ اور اگر وہ قادر تھا اور یقینا قادر تھا تو اس نے نشر و اشاعت کا یہ ذریعہ کیوں نہ اختیار کیا؟ یہ تو بظاہر ہدایت کا یقینی راستہ

ہو سکتا تھا۔ لیکن خدا نے ایسا نہیں کیا اور ہمیشہ رسولوں ہی کے ذریعے سے کتابیں بھیجتا رہا۔ ہر زمانے کے کفار نے بہتیرا کہا کہ اگر خدا کو ہم تک کوئی پیغام پہنچانا ہی منظور ہے تو فرشتے کیوں نہیں بھیجتا؟ تاکہ ہم کوئی بھی اس پیغام کے منزل من اللہ ہونے کا یقین آ جائے۔

محض کتاب اللہ اتار دی جاتی اور کوئی رسول نہ آتا تو لوگ آیات کے معانی میں اختلاف کرتے۔ اور کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہ ہوتا۔ لوگ احکام کے منشاء کو سمجھنے میں غلطیاں کرتے اور کوئی ان کو صحیح منشاء بتانے والا نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو خیر ایک حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے، مگر پاکیزگی، طہارت اور تقویٰ کے احکام پر لوگ یہ خیال کرتے کہ عملی زندگی میں ان پر عمل کرنا انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔ فرشتہ تو انسانی جذبات سے محروم ہے۔ پیٹ نہیں رکھتا۔ شہوانی قوتیں نہیں رکھتا۔ انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہے۔ اس کے لیے متقیانہ زندگی بسر کرنا کچھ مشکل نہیں۔ مگر ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے اس کی تقلید کیسے کریں؟ اس لیے ضروری تھا کہ ایک انسان انہی جذبات اور انہی تمام قوتوں اور انسانی تقلیدات کے ساتھ زمین پر آتا اور لوگوں کے سامنے احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کر کے بتاتا کہ اس طرح انسان خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر سکتا ہے۔ اس کو زندگی کے وہ تمام معاملات پیش آتے جو انسان کے پیش آتے ہیں۔ وہ ان تمام معاملات میں عام انسانوں کے ساتھ شریک ہوتا۔ عملی حصہ لیتا، قدم قدم پر ان کو اپنے عمل اور اپنے قول سے ہدایات دیتا۔ ان کی تربیت کرتا اور انہیں بتاتا کہ زندگی کی پیچیدہ راہوں میں سے کس طرح انسان بچ کر حق اور نیکی کے سیدھے راستے پر چل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تنہا کتاب اللہ کو کافی نہ سمجھا اور رسول اللہ کے اتباع اور ان کے اسوہ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ لازم کر دیا۔

قرآن شریف میں صاف طور پر تین چیزوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حکمِ خدا۔ دوسرے حکمِ رسول، تیسرے مسلمان حکام اور فرماں رواؤں کے احکام۔ اگر محض قرآن کا

اتباع کافی ہوتا اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کے اتباع کی حاجت نہ ہوتی تو رسول اور حکام (اولی الامر؛ بشر طیکہ ان کے احکام خدا اور رسول کے احکام سے اصولی مطابقت رکھتے ہوں) کی اطاعت کا حکم ہی نہ دیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنہا کتاب اللہ کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ رسالت کا رشتہ ناقابلِ انقطاع ہے۔ اور احکامِ رسول کی اطاعت اور اسوہ رسول کی پیروی بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح خود کتاب اللہ کے احکام کی اطاعت فرض ہے۔

کیا اسوہ رسول کے بغیر صرف قرآن سے ہدایت ممکن ہے؟

کتاب اللہ اور سنتِ رسول کا لازمی تعلق ثابت ہو جانے کے بعد اب اس سوال پر غور کیجیے کہ آیا رسول اللہ کے احکام کی اطاعت صرف ان کے دور تک محدود تھی؟ ان کے بعد اس کی حاجت باقی نہیں رہی؟ اگر ایسا ہے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف اسی عہد کے لیے تھی جس میں آپ جسم کے ساتھ زندہ تھے۔ آپ کے رحلت فرماتے ہی آپ کی رسالت کا تعلق عملاً دنیا سے منقطع ہو گیا۔ اس صورت میں رسالت کا منصب بے معنی ہو جاتا۔ رسول کا کام اگر محض ایک نامہ بر کی طرح کتاب اللہ کو پہنچا دینا تھا، اور اس سے بڑھ کر کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی تو ہم پھر وہی کہیں گے کہ یہ کام کوئی فرشتہ بھی کر سکتا تھا۔

اس الزام کو خود اللہ نے اپنی کتاب میں دفع کر دیا ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ "وما ارسلناک الا رحمتہ اللعالمین" ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ کا فیضانِ رسالت صرف اپنے زمانے تک کے لیے ہوتا تو آپ کو رحمتہ اللعالمین نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کہا جائے کہ آپ قرآن لائے ہیں جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور اسی لیے آپ رحمتہ اللعالمین ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ رحمت نہ تھے بلکہ رحمت تو قرآن تھا اور آپ کو خواہ مخواہ رحمت کہہ دیا گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو الگ رحمت فرمایا ہے اور اس کے لانے والے کو الگ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ہمیشہ کے لیے ہے اور جب ایسا ہے تو

وہ تمام آیات اور احکام بھی ہمیشہ کے لیے ہیں جن میں آنحضرت کے احکام کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہے۔ آپ کی ذات کو اسوہ حسنہ بتایا گیا ہے۔ آپ کے اتباع کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ اور ہدایت کا دامن آپ کی پیروی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ پس جب یہ دونوں چیزیں رسول اللہ کے اتباع اور آپ کے نمونہ حیات کی تقلید کے ساتھ وابستہ ہیں تو لازم ہوا کہ سیرتِ نبوی کے وہ پاک نمونے بھی قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہیں جن سے رسولِ اکرم کے ہم عہد لوگوں نے ہدایت پائی تھی، ورنہ بعد کی نسلوں کے لیے ہدایت ناقص رہ جائے گی۔

اگر اسوہ رسول باقی نہ رہتا، اگر رسول اللہ کے احکام باقی نہ رہتے، اگر ہدایت کا وہ پاک سرچشمہ بند ہو جاتا جو رسول اللہ کی سیرت میں تھا، تو محض کتاب اللہ سے دنیا کی ہدایت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اگر کتاب کے نزول کے بعد آثارِ رسالت کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہے تو سرے سے نزول کے لیے رسالت ہی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خدا کی حکمت پر کھلا ہوا طعن ہے۔ اور اگر تنزیل کے ساتھ رسالت کا ہونا لازم ہے تو یقیناً اس کے ساتھ آثارِ رسالت کا رہنا بھی لازم ہے۔ بغیر آثارِ رسالت کے تنہا کتاب اللہ موجبِ ہدایت نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ آپ باآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آثارِ رسالت محو ہو جاتے تو مسلمانوں کا حشر ان قوموں کا سا ہو جاتا جن کے پاس بجز افسانوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ لوگ کہتے کہ جس شخص پر تمہارے قول کے مطابق یہ کتاب نازل ہوئی ہے اس کے حالات تو بتاؤ کہ ہم ان کو جانچ کر دیکھیں کہ آیا فی الواقع وہ رسولِ خدا ہونے کے قابل تھا بھی یا نہیں۔ مگر ہم انہیں کچھ نہ بتا سکتے۔ لوگ کہتے کہ تمہارے پاس قرآن کے دعوے کی تائید میں کونسی ایسی خارجی شہادت ہے جس سے تمہارے نبی کی نبوت ثابت ہو سکتی ہو؟ مگر ہم کوئی شہادت نہ پیش کر سکتے۔ ہم کو خود یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ کب اور کن حالات میں قرآن نازل ہوا، کس طرح رسول اللہ کی شخصیت اور آپ کی پاک زندگی کو دیکھ کر لوگ فوج در فوج ایمان لائے، کس طرح آپ نے نفوس کا تزکیہ

کیا، حکمت کی تعلیم دی۔ کس طرح آپ نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں تنظیم اور اصلاح کا وہ زبردست کام انجام دیا اور شریعت کا وہ ہمہ گیر اور حکیمانہ ضابطہ بنایا جو محض انسانی عقل کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنتِ رسول کا رہنا قطعاً ضروری اور ناگزیر ہے۔

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم تک کیسے پہنچی؟

اب اس سوال کی طرف آیئے کہ سنت رسول کے ہم تک پہنچنے کی صورت کیا ہے اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ بالکل ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد سے رحلت تک تقریبا ربع صدی کا جو زمانہ بسر کیا وہ محض قرآن پڑھنے اور سنانے ہی میں بسر نہیں ہوا ہوگا، بلکہ آپ تلاوتِ آیات کے علاوہ شب و روز اپنے دین کی تبلیغ فرماتے رہتے ہوں گے۔ گمراہ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش بھی فرماتے ہوں گے۔ ایمان لانے والوں کو تعلیم بھی دیتے ہوں گے، اور اپنی عبادات، اپنے اخلاق اور اپنے اعمالِ حسنہ کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کی تربیت اور اصلاح کرنے میں مشغول رہتے ہوں گے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معلمانہ زندگی ایسی شدید مصروفیت میں بسر ہوتی تھی کہ آپ کو اپنے آرام کا ذرہ برابر خیال نہ تھا، ہر لمحہ یا تو عبادات میں بسر ہوتا تھا، یا وعظ و نصیحت اور تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس میں۔ حتیٰ کہ بار بار اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا تھا کہ آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں؟ اپنے آپ کو ہلاک کیوں کیے ڈالتے ہیں؟

اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی سرگرم مبلغانہ زندگی میں آیاتِ قرآنی کے سوا کوئی بات بھی آپ کی زبان سے ایسی نہ نکلتی تھی جو یاد رکھنے اور بیان کرنے کے قابل ہوتی؟ کوئی کام بھی آپ کی زندگی کا ایسا نہ تھا جس کو لوگ اپنے لیے نمونہ سمجھتے، اور دوسروں کو اس پاکیزہ نمونہ کی تقلید کا مشورہ دیتے؟ آپ کے اقوال و اعمال کے متعلق تو قرآن نے یہی اعتقاد رکھنے کا حکم دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد برحق ہے۔ اور آپ کا ہر عمل واجب التقلید ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے تو مسلمان یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر

ارشاد کو دل سے سنتے ہوں گے، ہر عمل پر نگاہ رکھتے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کے سامنے حضور کے اقوال و اعمال کے چرچے کرتے ہوں گے۔ جہاں رسالت اور کسی قسم کے تقدس کا اعتقاد نہیں ہوتا وہاں بھی بڑے لوگوں کی باتوں اور حرکات و سکنات پر لوگ نظر رکھتے ہیں۔ اور ان کے اقوال و اعمال کے چرچے کیا کرتے ہیں۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ صحابہ کرام جس مقدس انسان کو خدا کا رسول اور اسلام کا مکمل نمونہ سمجھتے تھے اس سے صرف قرآن لے لیتے اور اس کے دوسرے تمام ارشادات اور اس کے تمام اعمال کی طرف سے کان اور آنکھیں بند کر لیتے۔

اس زمانے میں فوٹو گرافی کے آلات نہ تھے کہ آنحضرت کی تمام حرکات و سکنات کے فلم لے لیے جاتے۔ نہ آواز ریکارڈ کرنے کے آلات تھے کہ آپ کی تقریروں کے ریکارڈ بھر کر رکھ لیے جاتے۔ نہ مکہ و مدینہ سے اخبارات نکلتے تھے کہ روزانہ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں اور آپ کے اعمالِ حیات کی رپورٹیں شائع ہوتیں۔ ضبط اور نقل کا ذریعہ جو کچھ بھی تھا وہ لوگوں کا حافظہ اور زبانیں تھیں۔ قدیم زمانہ میں نہ صرف عرب بلکہ تمام قوموں کے پاس واقعات کو محفوظ رکھنے اور بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ مگر عرب خصوصیت کے ساتھ اپنے حافظہ اور صحتِ نقل میں ممتاز تھے۔ جو قوم ایام العرب، کلامِ جاہلیت، انسابِ قبائل حتٰی کہ اونٹوں اور گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد کرتی ہو اور اپنی اولاد کو یاد کراتی ہو، اس سے بعد تھا کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم المثال شخصیت کے حالات اور آپ کے ارشادات کو یاد نہ رکھتی اور آنے والی نسلوں تک انہیں منتقل نہ کرتی۔

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو فطری بات تھی کہ لوگوں میں آپ کے احوال و اقوال کی جستجو اور زیادہ بڑھ جاتی۔ جو لوگ حضور کی زیارت اور صحبت سے محروم رہ گئے تھے ان میں یہ شوق پیدا ہونا بالکل فطری امر تھا کہ آپ کے صحبت یافتہ بزرگوں سے آپ کے ارشادات اور آپ کے حالات پوچھیں۔ ہم خود دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی پیر مرد ایسا نکل

آتا ہے جس نے پچھلی صدی کے اکابر میں سے کسی نامور بڑے شخص کی صحبت پائی ہو تو لوگ اس کے پاس جاتے ہیں اور اس کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے شمالی ہندوستان سے حیدر آباد کا سفر اس غرض کے لیے کیا کہ اگر کوئی پرانا آدمی ایسا مل جائے جس نے سید جمال الدین افغانی کی صحبت پائی ہو تو اس سے سید صاحب کے حالات معلوم کریں۔ یہ معاملہ جب معمولی انسانوں کے ساتھ پیش آتا ہے تو کیا یہ ممکن تھا کہ خدا کے سب سے بڑے پیغمبر اور دنیا کے سب سے بڑے ٹیچر کی وفات کے بعد مسلمانوں میں اس کے حالت پوچھنے اور اس کے ارشادات سے مستفید ہونے کی کوئی خواہش نہ ہوتی؟ لوگ جہاں کسی صحابی کی خبر پالیتے وہاں سینکڑوں میل سے سفر کر کے جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پوچھتے؟ یہی معاملہ یقیناً صحابہ کے بعد تابعین کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔ کم از کم دو صدی تک سماعتِ حدیث اور نقلِ حدیث کا غیر معمولی شغف مسلمانوں میں پایا جانا یقینی ہے اور یہ بات نہ صرف قیاس کے عین مطابق ہے، بلکہ تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتی ہے۔ معترضینِ حدیث قیاسِ عقلی سے تو کام ہی نہیں لیتے۔ رہی تاریخ تو وہ اس کے صرف اسی حصہ کو مانتے ہیں جس سے حدیث پر اعتراض کے لیے مواد مل سکتا ہو۔ اس کے سوا تاریخ کی جتنی شہادتیں ہیں سب ان کے نزدیک نامعتبر ہیں۔ لیکن جن لوگوں میں اعتراضِ حدیث کے لیے ضد پیدا نہیں ہوئی ہے وہ یقیناً اس بات کو تسلیم کرلیں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست شخصیت اور آپ کی تابناک پیغمبرانہ زندگی اتنی ناقبلِ اعتنا تو نہ تھی کہ مسلمانوں میں کم از کم دو سو برس تک بھی آپ کے حالات معلوم کرنے اور آپ کے ارشادات سننے کا عام شوق نہ رہتا۔

تعلیماتِ اسلام میں بیرونی اثرات کا دخل:

اس میں شک نہیں کہ عہدِ رسالت سے دور ہونے کے بعد مسلمانوں میں بیرونی اثرات بھی داخل ہونے لگے تھے۔ اور یہ اثرات بیشتر وہ لوگ اپنے ساتھ لائے تھے جنہوں نے عراق، ایران، شام اور مصر میں مذہب اسلام قبول تو کرلیا تھا مگر قدیم مذاہب کے تخیلات ان

کے ذہن سے محو نہ ہوئے تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا تھا جو اپنے دل سے گھڑ کر باتیں نکالتا تھا اور محض لوگوں پر اثر قائم کرنے لے لیے ان باتوں کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ یہ دونوں باتیں تاریخ سے بھی ثابت ہیں اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کیا درست ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں سب کے سب ایسے ہی لوگ تھے؟ سب جھوٹے اور بے ایمان تھے؟ سب ایسے منافق تھے کہ اسی ہستی پر بہتان گھڑتے جس کی رسالت پر وہ دن بھر میں کم از کم پانچ مرتبہ گواہی دیا کرتے تھے؟ سب ایسے دشمنِ حق تھے کہ دنیا بھر کی خرافات لے کر رسول کے نام سے خدا کے دین میں داخل کرتے اور اس کی جڑیں کاٹتے؟ یہ نتیجہ نہ عقلا نکالا جا سکتا ہے اور نہ تاریخ اس کی تائید کرتی ہے۔ اور جب یہ صحیح نہیں ہے تو صداقت کے ساتھ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر سے حدیث کے ذخیرے میں ایک حصہ ایسی روایات کا بھی داخل ہونے لگا تھا جو موضوع تھیں۔ اور یہ کہ بعد کی نسلوں کو جو احادیث پہنچی ہیں ان میں صحیح اور غلط اور مشکوک سب قسم کی حدیثیں ملی جلی تھیں۔

کھرے اور کھوٹے کی اس آمیزش کے بعد صحیح طریق کار کیا تھا؟ کیا یہ صحیح ہو سکتا تھا کہ آمیزش کی بنا پر صحیح اور غلط سب کو ایک ساتھ رد کر دیا جاتا، اور بعد کے مسلمان رسالت سے اپنا تعلق منقطع کر لیتے؟ معترضینِ حدیث اس کو آسان بات سمجھتے ہیں مگر جو لوگ قرآن پر ایمان رکھتے تھے اور رسول اللہ کی ذات کو اسوہ حسنہ سمجھتے تھے، اور جن کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر ہدایت کا میسر ہونا ممکن نہ تھا، ان کے لیے ایسا کرنا بہت دشوار تھا۔ اتنا دشوار جتنا کسی کے لیے برضا و رغبت آگ میں کود پڑنا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے سب کو رد کر دینے کی نسبت پہاڑ کھود کر جواہر نکالنے کی مشقت کو زیادہ آسان سمجھا۔ رسالت سے اپنا اور مسلمانوں کا تعلق برقرار رکھنے کے لیے شب و روز محنتیں کیں۔ حدیثوں کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول بنائے، کھرے کو کھوٹے سے ممتاز کیا۔ ایک طرف اصولِ روایت کے اعتبار سے

حدیثوں کی تنقیح کی، دوسرے طرف ہزاروں لاکھوں راویوں کے احوال کی جانچ پڑتال کی۔ تیسری طرف درایت کے اعتبار سے حدیثوں پر نقد کیا۔ اور اس طرح سنتِ رسول کے متعلق ان لوگوں نے ایک ایسا ذخیرہ فراہم کر دیا جس کے برابر مستند اور معتبر ذخیرہ آج دنیا میں گذشتہ زمانے کے کسی شخص اور کسی عہد کے متعلق موجود نہیں ہے۔ معترضینِ حدیث کو اختیار ہے کہ ان کی ساری محنتوں پر بیک جنبش قلم پانی پھیر دیں۔ ان کو یہ بھی اختیار ہے کہ دین کے ان سچے خادموں کو وضاعِ حدیث، پروردگانِ عجم، زلہ ربان بنی امیہ و بنی عباس اور جو کچھ چاہیں کہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ مسلمانوں پر ان محدثین کا اتنا بڑا احسان ہے کہ وہ قیامت تک اس بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، یہ انہی عاشقانِ رسول کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس رسولِ اکرم اور صحابہ کرام کے عہد کی پوری تاریخ اپنے جزئیات کے ساتھ موجود ہے اور وہ وسائل بھی ہمارے پاس موجود ہیں جن سے ہم حدیث کے ذخیرے کی جانچ پڑتال کر کے آج بھی واقعات کی صحیح صحیح تحقیق کر سکتے ہیں۔

اسلام کے نظامِ دینی میں حدیث کی حجیت، اور نا قابلِ اعتبار احادیث کا معاملہ:

البتہ راویوں میں سے ہم ہر راوی پر اعتماد نہیں کریں گے، جس طرح مقدمات کے سلسلے میں شاہدوں میں سے ہر شاہد کا اعتبار نہیں کرتے۔ اس کی تحقیق کے لیے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا گیا، تاکہ راویوں کے حالات کی تحقیق کی جائے۔ اسی طرح ہم راویوں پر جرح بھی کریں گے کہ حدیث کے جوہری نکات میں ان کے درمیان ایسا اختلاف تو نہیں ہے جو ان کے بیان کی صحت کو مشکوک کر دیتا ہو؟ اسی طرح ہم درایت سے بھی کام لیں گے جیسے ایک جج مقدمات میں درایت سے کام لیتا ہے۔ فنِ حدیث میں درایت کی حیثیت وہی ہے جو قانون میں جج کی رائے اور قوتِ فیصلہ کی ہے۔ جس طرح جج ہر گواہ کے بیان کو یونہی قبول نہیں کر لیتا بلکہ اس کو مختلف پہلوؤں سے جانچ کر رائے قائم کرتا ہے اسی طرح ایک محدث بھی ہر روایت کو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کرتا بلکہ جانچ پڑتال کر کے اس کے متعلق رائے قائم کرتا ہے۔ مگر

جس طرح شاہدوں کے بیانات کا جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اسی طرح درایت بھی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ حدیث کو اصولِ درایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصول اولیہ کو خوب سمجھ لیا ہو۔ اور جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرتِ مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے۔ پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟ پھر جس طرح ایک معاملہ میں دو قاضیوں کا اجتہاد مختلف ہوتا ہے اور جس طرح قرآن مجید کے معانی میں دو فاضلوں کی تفسیریں مختلف ہو سکتی ہیں، اسی طرح دو محدثوں کی درایت میں بھی اختلاف ممکن ہے۔ خدا نے ہم کو انسانی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف قرار نہیں دیا ہے۔ اختلاف رائے انسانی فطرت کا مقتضٰی ہے، اور اس کی وجہ سے نہ قرآن چھوڑا جا سکتا ہے نہ حدیث اور نہ عدالت کی کرسی۔ پس ایک حدیث کے متعلق جس حد تک تحقیق انسان کے بس میں ہے، اس کا سامان محدثین نے فراہم کر دیا ہے۔ ہمارا کام اس سامان سے فائدہ اٹھا کر صحیح کو غلط سے ممتاز کرنا اور صحیح کا اتباع کرنا ہے۔ نہ یہ کہ صحیح و غلط کے اختلاط کو دیکھ کر سرے سے رسالت ہی سے قطع تعلق کر لینا۔

بعض حضرات کہتے ہیں ہم حدیث کو صرف تاریخ کی حیثیت سے لیں گے، حجتِ شرعی نہ بنائیں گے۔ مگر کیا ان حضرات نے رسول کی تاریخ کو سکندر اور نپولین کی تاریخ سمجھا ہے کہ اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو؟ کیا وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اس انسان کی تاریخ ہے جس کا اتباع فرض ہے، اس ذاتِ پاک کی تاریخ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی۔ یا صحیح ہو گی یا غلط۔ اگر غلط ہے تو اس کو لینا کیا معنی نذرِ آتش کر دیجیے۔ رسول پر بہتان اور آپ اس کو

تاریخ کی حیثیت سے قبول کرلیں؟اور اگر وہ صحیح ہے تو اس کا اتباع فرض ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے اس کی پیروی سے آپ بچ کہاں سکتے ہیں؟

منکرینِ حدیث کے مقالات پر نظر کرتے ہوئے انکارِ حدیث کے دو وجوہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ایک یہ کہ اسلام کے نظامِ دینی میں سرے سے حدیث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ صرف قران کافی ہے۔دوسرے یہ کہ احادیث ناقابلِ اعتبار ہیں۔

ان میں سے پہلی وجہ کا جواب دیا جا چکا ہے۔رہی دوسری وجہ تو اس کی غلطی بھی گذشتہ صفحات میں ظاہر کی جا چکی ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ اس شبہ کو تفصیل کے ساتھ رفع کر دیا جائے۔احادیث کو ناقابلِ اعتبار سمجھنے کی اصل وجہ وہم اور شک کا حد سے بڑھ جانا ہے۔انسان کی فطرت میں شک کا مادہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ بحث و تحقیق اور تلاش و تجسس کے لیے محرک ہو اور اور حقیقت کی جستجو پر انسان کو ابھارے۔ لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جس سے گھٹنے یا بڑھ جانے پر وہ مستحسن نہیں رہتی۔

غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ انسان اکثر و بیشتر معاملات میں صرف اس تحقیق پر اعتماد کرنے کیلئے مجبور ہے جس سے ظنِ غالب حاصل ہوتا ہے۔اگر وہ اس تحقیق میں شک کرے اور علم یقین کے بغیر ہر بات کو ماننے سے انکار کر دے تو وہ دنیا کے کام کا نہ رہے گا بلکہ شاید زندہ بھی نہ رہ سکے گا۔ مثال کے طور پر میں نے آج تک کبھی کسی شخص کو سانپ کے کاٹے سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔نہ مجھے سانپ نے کاٹا کہ اس کے مہلک ہونے کا مجھے علم یقین حاصل ہوتا۔ میں نے صرف لوگوں سے یہ سنا ہے کہ جب سانپ کاٹتا ہے تو انسان مر جاتا ہے۔ میں اس روایت پر یقین رکھتا ہوں،اور سانپ کو دیکھ کر اس سے بچ جاتا ہوں۔ لیکن اگر میں اس روایت میں شک کروں اور کہوں کہ جب تک سانپ میرے سامنے کسی کو نہ کاٹے اور اسی کی تاثیر سے وہ میرے سامنے مر نہ جائے یا جب تک سانپ خود مجھ کو نہ کاٹے اور میں اس کے زہر سے نہ

مر جاؤں، اس وقت تک میں یقین نہ کروں گا کہ سانپ مہلک ہوتا ہے، تو میرے اس شک کا جو کچھ انجام ہو گا وہ ظاہر ہے۔

مثلاً ہر شخص کو یہ بات کہ وہ اپنے باپ کی جائز اولاد ہے صرف اپنی ماں کی روایت سے معلوم ہوتی ہے۔ اس خبرِ واحد میں جس کے لیے کوئی دوسرا شاہد سرے سے مل ہی نہیں سکتا، نفسِ خبر ہونے کی حیثیت سے سچ اور جھوٹ کا یکساں احتمال ہے۔ لیکن کوئی شریف آدمی اس میں جھوٹ کے پہلو کو ترجیح دینا تو درکنار وہ کسی درجہ میں بھی یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ خواہ واقعہ کے اعتبار سے اس کا اپنی ماں کے بیان پر یقین کرنا درست نہ ہو۔

اگر کوئی جج ہر شاہد کو جھوٹا اور ہر شہادت کو غلط فرض کر کے اپنا کام شروع کرے، اور ہر واقعہ کو تسلیم کرنے کیلئے اس بات پر اصرار کرے کہ یا تو واقعہ خود اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے، یا متواتر روایات اس تک پہنچیں، تو یقیناً چند ہی ساعتوں میں اس کو عدالت کی کرسی چھوڑ دینی پڑے گی۔

یہی صورت مذہبی معاملات میں بھی ہے۔ سب سے بڑی چیز جس پر ہمارے ایمان کا مدار ہے قرآن مجید ہے۔ اس کتاب کا کلامِ الٰہی ہونا ہم کو صرف ایک گواہ کی شہادت سے معلوم ہوا ہے اور وہ گواہ ذاتِ رسالت پناہ ہے۔ نفسِ خبر ہونے کے لحاظ سے اس میں بھی صدق و کذب کا احتمال ہے۔ لیکن خبر جس گواہ نے دی ہے اس کی راست بازی، دیانت اور پاکیزہ سیرت کو دیکھ کر اور جو خبر اس نے دی ہے اس کی معقولیت اور حقانیت کا لحاظ کر کے ہم کذب کے پہلو پر صدق کے پہلو کو ترجیح قرار دیتے ہیں اور پھر یہی ترجیح ایمان بن کر ہمارے قلب میں ایسی راسخ ہو جاتی ہے کہ کذب کا تصور تک آنے نہیں پاتا۔ لیکن دوسری طرف بہت سے لوگ ہیں جنہیں اس شاہد امین کی شہادت میں شک ہے۔ اور اسی شک کی بنا پر وہ اس کی تصدیق سے انکار کر رہے ہیں۔ ہم میں اور ان میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ ہم نے ایک راست باز گواہ کی گواہی کو تسلیم کیا اور مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے اس کی گواہی میں شک کیا

اور کفر میں مبتلا ہو گئے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ وحی اترتے ہوئے نہ ہم نے دیکھی اور نہ انہوں نے۔

احادیث کی تحقیق کا معیار

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کسی خبر کی تحقیق کا سخت سے سخت قابلِ عمل معیار کیا ہو سکتا ہے۔ فرض کیجیے زید نامی ایک شخص اب سے سو برس پہلے گزرا ہے، جس کے متعلق عمرو ایک روایت آپ تک پہنچاتا ہے۔ آپ کو تحقیق کرنا ہے کہ زید کے متعلق یہ روایت درست ہے یا نہیں؟ اس غرض کے لیے آپ حسبِ ذیل تنقیحات قائم کر سکتے ہیں۔

1.. یہ روایت عمرو تک کس طریقے سے پہنچی؟ درمیان میں جو واسطے ہیں ان کا سلسلہ زید تک پہنچتا ہے یا نہیں؟ درمیانی راویوں سے ہر راوی نے جس شخص سے روایت کی ہے اس سے وہ ملا بھی تھا یا نہیں۔ ہر راوی نے روایت کس عمر اور کس حالت میں سنی؟ روایت کو اس نے لفظ بلفظ نقل کیا یا اس کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا؟

2. کیا یہی روایت دوسرے طریقوں سے بھی منقول ہے۔ اگر منقول ہے تو سب بیانات متفق ہیں یا مختلف؟ اور اختلاف ہے تو کس حد تک؟ اگر کھلا ہوا اختلاف ہے تو مختلف طریقوں میں سے کونسا طریق روایت زیادہ معتبر ہے؟

3. جن لوگوں کے واسطے سے یہ خبر پہنچی ہے وہ خود کیسے ہیں؟ جھوٹے یا بددیانت تو نہیں؟ اس روایت میں ان کی کوئی ذاتی یا جماعتی غرض تو مخفی نہیں؟ ان میں صحیح یاد رکھنے اور صحیح نقل کرنے کی قابلیت تھی یا نہیں؟

4. زید کی افتادِ طبع، اس کی سیرت، اس کے خیالات اور اس کے ماحول کے متعلق جو مشہور و متواتر روایات یا ثابت شدہ معلومات ہمارے پاس موجود ہیں یہ روایت ان کے خلاف تو نہیں ہے؟

5. روایت کسی غیر معمولی اور بعید از قیاس امر کے متعلق ہے یا معمولی اور قرینِ قیاس امر کے متعلق؟ اگر پہلی صورت ہے تو کیا طریقِ روایت اتنے کثیر، مسلسل اور معتبر ہیں کہ ایسے امر کو تسلیم کیا جاسکے؟ اور اگر دوسری صورت ہے تو کیا روایت اپنی موجودہ شکل میں اس امر کی صحت کا اطمینان کرنے کے لیے کافی ہے؟

یہی پانچ پہلو ہیں جن سے کسی خبر کی جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے۔ ان سوالات کے متعلق اگر ذرائع تحقیق ہمارے پاس موجود ہوں اور ان ذرائع سے کوئی خبر تحقیق کے معیار پر پوری اتر جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کی تکذیب کریں اور اگر کوئی خبر اس معیار پر پوری نہ اترے تو ہم کو حق ہے کہ خواہ اس کی تکذیب کریں یا اس کو رد کردیں۔ لیکن اگر ذرائع تحقیق موجود ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص فرداً فرداً ہر خبر کو جانچنے اور اس کے متعلق رائے قائم کرنے کے بجائے تمام خبروں کو مجموعاً محض اس بنا پر رد کردے یا جھوٹ قرار دے کہ ان میں بعض جعلی خبریں ملی ہوئی ہیں، یا بعض راویوں کی کمزوریاں ثابت ہیں، یا بعض اس شخص کی عقل میں نہیں سماتیں تو اس سے بڑھ کر غیر معقول طرزِ عمل اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

اگر کوئی شخص ذاتِ رسالت پناہ کے اسوہ حسنہ اور سنتِ مطہرہ سے کوئی تعلق رکھنا ہی نہ چاہتا ہو تو یہ ایک دوسری بات ہے۔ لیکن اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید ضروری سمجھتا ہے، اور اسے واقعی یہ معلوم کرنے کی ضروت ہے کہ حضور نے اپنی ۲۳ سال کی حیات نبوی میں کس طرح زندگی بسر کی؟ کون سے افعال کیے؟ کن افعال سے اجتناب کیا؟ کن باتوں کو جائز رکھا؟ کن باتوں سے منع فرمایا؟ تو لامحالہ اس کو حدیث کے ذخیرے کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ یہاں وہ یہ دیکھے گا کہ اس وقت بھی دنیا میں کم و بیش چار پانچ لاکھ آدمی ایسے موجود ہیں جن کے پاس حدیث کی کتابیں امام مالک، امام محمد، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور دوسرے ائمہِ حدیث سے سلسلہ بہ سلسلہ پہنچی ہیں۔ اس لیے اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کتابیں انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی

ہیں۔ پھر اس میں بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان بزرگوں نے ہر حدیث کی جو سند رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام تک پہنچائی ہے وہ کم از کم ان کی تحقیق کے لحاظ سے درست تھی۔ لہٰذا ان کتابوں کے ذریعہ سے حدیث کا وہ علم قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا ہے جو پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے ائمہ حدیث کے پاس تھا۔

محدثین کی اندھی تقلید؟

ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہیے یا ان کو غلطی سے مبرا سمجھنا چاہیے۔ نہ کبھی ہم نے یہ دعویٰ کیا کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو اس کو آنکھ بند کر کے رسول اللہ کی حدیث مان لیا جائے۔ برعکس اس کے ہمارے نزدیک کسی حدیث کو حدیثِ رسول قرار دینے کی ذمہ داری ایک گراں بار ذمہ داری ہے جس کو اٹھانے کی جرات کافی تحقیق کے بغیر ہرگز نہ کرنی چاہیے۔ اور تحقیق واجتہاد کے متعلق بھی ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس کا دروازہ ہر زمانہ میں کھلا ہوا ہے اور کسی خاص عہد کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جن لوگوں نے فنِ حدیث کی تحقیق اور اس کے باقاعدہ مطالعہ اور تحقیقات میں حق ادا نہ کیا وہ ان بزرگوں کے کارناموں پر تنقید کریں جنھوں نے پوری پوری عمریں اس فن کی خدمت میں بسر کر دی ہیں۔ صرف ایک فنِ حدیث ہی پر موقوف نہیں ہے دنیا کا کوئی علم و فن بھی آپ کو ایسا نہ ملے گا جس میں مبتدیوں اور اناڑیوں کو ریسرچ اور ماہرانہ اظہار رائے اور مجتہدانہ کلام کا حق دیا جاتا ہو۔ یہ حق انسان کو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ فن کے مبادی اور اصول پر پوری طرح حاوی ہو چکا ہو، اور جتنا ذخیرہ معلومات اس فن کے متعلق موجود ہو وہ سب اس کی نظر میں ہو۔ باقی رہا وہ شخص جو ابھی اس مرتبہ پر نہیں پہنچا ہے تو اس کے لیے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ ائمہ فن کی تحقیقات اور ان کی آراء کا اتباع کرے۔ تمام دنیوی علوم کی طرح مذہبی علوم

میں بھی یہی طریقہ بہتر اور صحیح تر ہے۔ اس کو چھوڑ کر جو لوگ اجتہاد بلا علم کا علم بلند کرتے ہیں وہ دنیا اور دین دونوں میں اپنے لیے رسوائی کا سامان کرتے ہیں۔

جو باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچی ہیں ان کو دو حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ حصہ ہے جو تواتر کے ساتھ آیا ہے، خواہ وہ تواتر عملی ہو یا خبری۔ دوسرا حصہ وہ ہے جو تواتر کے ساتھ نہیں آیا۔ ان میں سے پہلے حصہ کے متعلق تمام امت کا اتفاق ہے کہ وہ یقینی ہے اور عقل بھی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اسے ثابت شدہ حقیقت تسلیم کرنا چاہیے، کیونکہ تواتر کا مفید یقین ہونا مسلمات میں سے ہے۔ رہا دوسرا اصول تو اس کو سب ظنی مانتے ہیں۔ مظنونات کو من حیث الکل قبول کر لینا جس درجہ کی غلطی ہے، اسی درجہ کی غلطی ان کو من حیث الکل رد کر دینا بھی ہے۔ عقلِ سلیم کا اقتضا یہی ہے کہ مظنونات کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے بلکہ ان کے درمیان تمیز کی جائے۔ ان میں سے ہر ایک کو جدا جدا جانچ کر دیکھا جائے اور تحقیق کے مختلف ذرائع سے کام لیکر یہ دریافت کیا جائے کہ کونسی چیز یقین سے کس درجہ قریب یا کس درجہ بعید ہے۔ جو چیز بعید ہو اسے رد کر دو۔ جو چیز قرب و بعد کے درمیان ہو اس میں توقف کرو۔ اور جو چیز قریب ہو اس کو بلحاظ اس کے درجہ کے قبول کر لو۔ یہی اصول ہے جس پر دنیا کے سارے معاملات میں عمل کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ ہمارا دین غیر معقول نہیں ہے اس لیے اسی کی پیروی دین کے معاملات میں بھی کرنی چاہیے۔

احادیث کو بالکلیہ رد کر دینے سے عملاً جو خرابی واقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جزئیات میں انسان رسالت کی رہنمائی سے محروم ہو جاتا ہے، اور دین پر عمل کرنے کی تفصیلی صورتوں میں قیاس و رائے کا دخل اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس سے اصولی احکام کی اصل اسپرٹ کے بھی ضائع ہو جانے کا خوف ہے۔ نیز اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ جب تفصیلات میں سرے سے کوئی سند ہی نہ ہو گی تو لامحالہ انفرادیت راہ پائے گی۔ ہر شخص اپنی رائے اور اپنے رجحان کے مطابق جو صورت چاہے گا اختیار کرے گا۔ اور کوی قوت ایسی باقی نہ رہے گی جو تفرقہ و انتشار اور

اختلاف عمل کو انفرادیت کی آخری حدود تک پہنچنے سے روک سکتی ہو۔ مثال کے طور پر ایک نمازِ جمعہ ہی کو لیجیے۔ ہمارے پاس یقین کے جو ذرائع ہیں ان میں سے پہلا اور سب سے بڑا ذریعہ یعنی قرآن ہم کو صرف یہ ہدایت دیتا ہے کہ ''جب نماز جمعہ کے لیے بلایا جائے تو سب کام چھوڑ کر دوڑ پڑو'' دوسرا ذریعہ یعنی عملِ متواتر ہم کو اس سے تھوڑی دور آگے لے جاکر چھوڑ دیتا ہے۔ وہ صرف اتنا علم ہم کو دیتا ہے کہ جمعہ کا وقت ظہر کا وقت ہے، اس کے لیے جماعت شرط ہے، اس سے پہلے خطبہ ہونا چاہیے، اس کی رکعتیں دو ہیں، اور اس کے لیے اذنِ عام ضروری ہے۔ ان امور کے بعد جتنے عملی جزئیات ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی قرآن یا عمل متواتر سے ہم کو معلوم نہیں ہوتی۔ اب اگر اخبار احاد کو بہ حیثیت مجموعی رد کر دینے کا اصول اختیار کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر شخص جزئیات کو اپنی رائے سے مقرر کریگا۔ اور کسی رائے کو بھی ایسی قوت حاصل نہ ہوگی جس کی بنا پر اسے دوسری رائے کے مقابلے میں ترجیح دی جاسکے اور مسلمانوں کی کسی بڑی جماعت پر اس کی پیروی لازم ہو جائے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سے جزئیات میں کتنی افراتفری برپا ہو گی، نظامِ جماعت کو کتنا نقصان پہنچے گا اور کس طرح بعض صورتوں میں مقاصدِ شریعت تک فوت ہو جائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اخبار احاد سے جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں وہ بھی کچھ نہ کچھ مختلف ہیں اور ان کی بنا پر بھی متعدد مذہب نکلتے ہیں۔ مگر اول تو ان میں بمشکل پانچ سات مذاہب نکلنے کی گنجائش ہے اور پھر ان سے جتنے مذہب بھی نکلتے ہیں ان میں سے ہر ایک کو اسی ایک بالاتر اقتدار کی سند حاصل ہے جس کو سب مسلمان تسلیم کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے اخبار احاد کو بالکلیہ رد کر دینے کے بعد بے شمار مذاہب کی گنجائش نکل آتی ہے اور ان میں سے کسی مذہب کو بھی کوئی ایسی سند حاصل نہیں ہوتی جو زیادہ نہیں دو ہی مسلمانوں کو ایک جزئیہ میں ایک طریقہ پر جمع کر دے۔ نتیجہ اسکا بالکل ظاہر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی، آپ کے اخلاق، آپ کی عادات، آپ کا طریق عبادت، آپ کا طرزِ تعلیم و تبلیغ، آپ کا طرزِ عدالت، آپ کے قانونی فیصلے، زندگی کے مختلف شعبوں میں آپ کی ہدایت اور آپ کا طرزِ عمل، پھر آپ کے خلفاء اور صحابہ اور اہلِ بیت اور تابعین کے آثار یہی وہ چیزیں ہیں جو اسلام کی عملی زندگی کا پورا نقشہ پیش کرتی ہیں، اور اسی نقشہ پر اسلام ایک مکمل نظامِ حیات بنتا ہے۔ مگر ان چیزوں کے حصول کا ذریعہ قرآن نہیں صرف احادیث ہیں جو ہم تک معلومات اور ہدایات کا یہ عظیم الشان ذخیرہ پہنچاتی ہیں۔ ان کو مٹاد یجیے۔ پھر اسلام محض ایک ڈھانچہ رہ جائے گا، جس پر گوشت پوست کچھ نہ ہوگا۔ جس کی شکل اور جس کے خدو خال کو جو شخص جس طرح چاہے گا بنائے گا۔ اس صورت میں درِ حقیقت کوئی ایک نظامِ جماعت قائم ہی نہ ہو سکے گا، کجا کہ کوئی ایسی تہذیب وجود میں آسکے جو اسلامی تہذیب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی مخالفت آج وہی لوگ کر رہے ہیں جو دراصل اسلامی تہذیب کے نظام کو توڑنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کے تعینات کی حدود میں اپنی اہواء اور خواہشات کی پیروی کے لیے کوئی گنجائش نہیں پاتے، اس لیے انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اس چیز کو ہی مٹادو جو اس نظام کی حد بندی کرتی ہے۔ پھر ہم آزاد ہو جائیں گے کہ اسلام کے ڈھانچے پر جس طرح چاہیں گوشت پوشت چڑھائیں اور جیسی چاہی اس کی شکل بنادیں۔

یہ لوگ احادیث کو مجموعی حیثیت سے مردود قرار دینے کے لیے ان حدیثوں کو مثال میں پیش کرتے ہیں جو باہم متعارض ہیں، یا جن میں انبیاء علیہم السلام پر طعن پایا جاتا ہے۔ یا جو صریح عقل کے خلاف ہیں، یا قرآن کے خلاف نظر آتی ہیں۔ ان چند افراد سے یہ لوگ پورے مجموعہ کے غلط اور قابلِ رد ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ مگر یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے کسی قوم کے چند افراد کی بدمعاشی سے پوری قوم کی بدمعاشی پر استدلال کیا جائے۔ جب ہر روایت بلحاظِ متن اور بلحاظِ اسناد دوسری روایت سے مختلف ہے تو ہر روایت کے متعلق جدا جدا تحقیق

کر کے رائے قائم کرنی چاہیے کہ وہ قبول کرنے کے لائق ہے یا رد کر دینے کے لائق۔ سب کو ایک مجموعہ کی حیثیت سے لیکر پورے مجموعے کے متعلق ایک ہی رائے قائم کر لینا کسی معقول انسان کا فعل نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ لوگ احادیث پر فرداً فرداً نگاہ ڈالیں گے تو ان کو معلوم ہو گا کہ جہاں ایک قلیل تعداد ایسی حدیثوں کی ہے جنہیں دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ یہ حدیثیں رسول اللہ کی نہیں ہو سکتیں، وہاں ایک کثیر تعداد ایسی حدیثوں کی بھی ہے جو حکمت کے جواہر سے لبریز ہیں، جن میں قانون اور اخلاق کے بہترین اصول پائے جاتے ہیں، جو اسلام کی حقیقت اور اس کے مصالح و حکم پر بہترین روشنی ڈالتی ہیں اور جن کو دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ یہ ایک رسول ہی کی حدیثیں ہو سکتی ہیں۔ پھر اگر یہ لوگ حق پرست اور انصاف پسند ہوں تو انہیں نظر آئے کہ محدثین کرام نے عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے آثار و اخبار جمع کرنے اور ان کو چھانٹنے اور ان کی حفاظت کرنے میں وہ محنتیں کی ہیں جو دنیا کے کسی گروہ نے کسی دور کے حالات کے لیے نہیں کیں۔ انہوں نے احادیث کی تنقید و تنقیح کے لیے جو طریقے اختیار کیے وہ ایسے ہیں کہ کسی دورِ گذشتہ کے حالات کی تحقیق کے ان سے بہتر طریقے عقلِ انسانی نے آج تک دریافت نہیں کیے۔ تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ سب اس گروہ نے استعمال کیے ہیں اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کیے ہیں کہ کسی دورِ تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ درِ حقیقت یہی چیز اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق شاملِ حال رہی ہے۔ اور جس خدا نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے اسی نے اپنے آخری نبی کے نقوشِ قدم اور آثارِ ہدایت کی حفاظت کے لیے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

استفادہ تحریر سید مودودیؒ

آج کا مسلمان نوجوان کہتا ہے مجھے سوال کرنے کی آزادی کیوں نہیں ہے . وہ کہتا ہے جب میں دین اسلام کے بارے میں سوال کرتا ہوں جس کا تقاضا عقل کرتی ہے تو جواب میں کہا جاتا ہے بس بے چوں چراں ان باتوں پر ایمان لانا ہے . میرا خیال ہے بیشک عقل سے رہنمائی لینا بھی ضروری ہے اور صاحب عقل اور صاحب فہم و فراست ہی مضبوط ایمان کے حامل ہوتے ہیں . عقل انسان کی رہنمائی کے لئے ہی اللہ کی طرف سے عطا کی گئی ہے . مگر اسکی اپنی حدود ہیں جس کا ہمیں ادراک ہونا چاہیے . یہ غائب کی باتیں نہیں معلوم کر سکتی . اپنی عقل سے ہم اپنے ٹیلر میڈ اسلامی اصول ترتیب نہیں دے سکتے ، جیسا کہ جدید اسلام کی داغ بیل ڈالنے والا ایک طبقہ احادیث نبوی کا سرے ہی سے انکار کر کے چاہتا ہے . مغربی مفکرین مسلمان نوجوانوں کی اس تشکیک کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تاکہ اپنے سیکولر لبرل نظام کو آگے بڑھایا جائے اور دین اسلام جو اسکی مزاحمت کرتا ہے اس مزاحمت کو ختم کر دیا جائے .

اپنی مرضی کرنے اور اپنی رائے رکھنے سے اسلام کب روکتا ہے ؟ ہاں اللہ تعالی کے احکام کے مقابلے میں اپنی رائے کو مقدم رکھنے سے ضرور منع کرتا ہے . نیک اور بد کو پہچاننے کا شعور دیتا ہے اور اسکے بعد نیکی کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے .

نوجوانوں کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ سب جواب انھیں دوسروں ہی سے حاصل کرنے پر انحصار نہیں کرنا چاہیے خود بھی نیک نیتی سے اسلام کے بارے میں علم حاصل کرنا چاہیے آخر انکی اپنی بھی تو کوئی ذمہ داری ہے یا نہیں ؟

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں ابن سرین کا قول نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں " سب سے پہلے شیطان نے خدا پاک کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے استعمال کی " امام حسن بصری کے سامنے قرآن کریم میں منقول شیطان کا یہ قول پڑھا گیا "خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ" تو آپ فرماتے ہیں "ابلیس نے حکم خدا کے

سامنے اپنی رائے پیش کی قول بالرائے کا اصول سب سے پہلے اس نے وضع کیا" امام شعبی کہتے ہیں" بخدا اگر تم نے قول بالرائے کا مسلک اختیار کیا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دو گے". معاذ بن جبل کہتے ہیں"قران مجید اس قدر سیوخ حاصل ہوگا کہ مرد عورت اور لڑکے بالے سب اسکو پڑھنے لگیں گے، تب ان میں سے ایک شخص کہے گا قران تو میں پڑھتا ہوں لیکن کوئی میرا اتباع نہیں کرتا (وہ رہبر کہلانے کا خواہش مند ہوگا)تب وہ توجہ حاصل کرنے کے مختلف طریقے اختیار کرنے کے باوجود ناکامی پر قران و سنّت سے الگ کوئی بات پیش کرے گا، معاذ بن جبل نے ایسے اشخاص سے لوگوں کو خبردار کیا ہے. آج کل کے منکران حدیث یہ کام کر رہے ہیں.

حدیث کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کرنے کے بعد اب میں اس اصل بات کی طرف آتا ہوں. بلا شبہ وہ ہمارے اپنے کچھ نوجوانوں کے احادیث کے متن پر اعتراضات ہیں. کوئی بھی شخص جو علم حدیث کو اچھی طرح سے نہیں سمجھتا کیوں کہ اس بارے میں اسکی کوئی تعلیم ہی نہیں ہے تو وہ جو باتیں احادیث کے متن میں بیان ہوئی ہیں ان سے کچھ کے ساتھ اسکا ذہن موافقت نہیں کرتا.

جس طرح کی احادیث کے بارے میں ہمارا نوجوان تشکیک کا شکار ہے

.انمیں میں سے کچھ ایسی احادیث کا ذکر میں یہاں کروں گا. پہلے سند اور متن میں جو فرق ہے کو جاننے کی ضرورت ہے. اگر کسی حدیث کی سند درست ہے تو ہمارے پاکباز اصحابہ اور انکے بعد تابعین نے وہ احادیث ہم تک پہنچائی ہیں خواہ اسکا متن کیسا ہی ہو یہ بذات خود علم حدیث کی صداقت کی گواہی ہے. جب ہم مان لیتے ہیں کہ فلاں حدیث درست ہے تو اب ہمارا اصل اعتراضات کچھ احادیث کے متن پر رہ جاتا ہے. یہاں ایک اور بات یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ جو حدیثیں فقہ اسلامی کی بنیاد ہیں اور جو دیگر بہت ساری احادیث ہیں انپر ہمارا کوئی اعتراض نہیں. میں نے ان نازک مقامات کو سمجھنے کے لئے بزرگان دین کی کاوشوں سے

حوالے دینا مناسب خیال کیا ہے تا کہ بات تحقیقی ہو اور اس میں وزن بھی ہو. میں انہی کی بات کو یہاں نقل کر رہا ہوں کہ اس تشریح کی بھاری ذمہ داری انہی جسے جید علماء اٹھا سکتے ہیں

سید ابوالاعلیٰ مودودی رسائل و مسائل میں احادیث پر اٹھنے والے ایسے سوالات کے کو درج کرتے ہیں اور انکے جواب میں یوں لکھتے ہیں:

سوال: نبی کریم ﷺ کی مقدس احادیث کے لیے میرے دل میں احترام کا جذبہ کسی کٹر سے کٹر اہل حدیث سے کم نہیں۔ اسی لیے ہر وقت دعا مانگتا رہتا ہوں کہ خدا مجھے منکرین حدیث کے فتنے سے بچائے۔ لیکن چند احادیث کے متعلق ہمیشہ میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ امید ہے کہ آنجناب از راہ کرم ان احادیث اور ان سے متعلق میرے شبہات کو ملاحظہ فرمائیں گے اور ان کی وضاحت فرما کر میری پریشانی و بے اطمینانی رفع فرما دیں گے۔ شکر گزار ہوں گا۔

اخلاقی لحاظ سے معیوب

(۱) حضرت عائشہؓ سے نبی کریم ﷺ کے غسل کے متعلق استفسار کیا گیا تو انہوں نے برتن منگوا کر اور پردہ لٹکا کر اپنے بھائی اور ایک غیر شخص کی موجودگی میں غسل فرمایا۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ ۳۹)

(۲) حضرت سبرہ کی روایت نکاح متعہ کے متعلق کہ ہم دو ساتھی بنی عامر کی کسی عورت کے پاس گئے اور اسے اپنی خدمات پیش کیں۔ (مسلم، جلد سوم، صفحہ ۴۴۳)

(۳) حضرت جابرؓ کی روایت کہ ہم نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں مٹھی بھر آٹا دے کر عورتوں کو استعمال کر لیتے تھے اور اس حرکت سے ہمیں حضرت عمرؓ نے روکا۔ (مسلم، جلد سوم، صفحہ ۴۴۱)

(۴) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ کو احرام توڑ کر خوب جماع کیا اور پانچویں دن کے بعد جب ہم عرفہ کے لیے روانہ ہوئے تو تقطر مذاکیرنا المنی۔(مسلم، جلد سوم، صفحہ ۲۷۳)

خلافِ علم و عقل

(۵) حضرت ابوذرؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آفتاب کے متعلق بتایا کہ ڈوبنے کے بعد آفتاب عرش کے نیچے سجدے میں گر جاتا ہے اور صبح تک دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا رہتا ہے۔(بخاری، جلد دوم، صفحہ ۳۷)

(۶) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ جہنم نے خدا سے دم گھٹنے کی شکایت کی اور سانس لینے کی اجازت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو سال میں دو سانس لے سکتی ہے۔ چنانچہ انہی سے دونوں موسم (گرما و سرما) پیدا ہوئے۔(بخاری، جلد دوم، صفحہ ۱۴۳)

(۷) مرد کا نطفہ سفید ہوتا ہے اور عورت کا زرد۔ انزال کے بعد دونوں قسم کے نطفے مل جاتے ہیں۔ اگر یہ مرکب مائل بہ سفیدی ہو تو بچہ پیدا ہوتا ہے ورنہ بچی۔(مسلم، جلد اول، صفحہ ۴۶۸)

(۸) مجامعت کے وقت اگر مرد کا انزال عورت سے پہلے ہو تو بچہ باپ پر جاتا ہے ورنہ ماں پر۔(بخاری، جلد دوم، صفحہ ۱۴۹)

توہینِ انبیا

(۹) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کا ختنہ اسّی برس کی عمر میں ہوا تھا۔(بخاری، جلد دوم، صفحہ ۱۵۵)

(۱۰) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن حضرت سلیمانؑ نے ارشاد فرمایا کہ آج رات میں اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد ایک سو ایک یا

ننانوے تھی) مجامعت کروں گا۔ ہر ایک بیوی سے ایک شہسوار پیدا ہو گا جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا۔ کسی نے کہا انشاء اللہ بھی ساتھ کہئے لیکن حضرت سلیمانؑ نے پرواہ نہ کی۔ چنانچہ وہ اپنی تمام بیویوں کے پاس گئے لیکن ایک کے سوا کوئی حاملہ نہ ہوئی۔ (بخاری، جلد دوم، صفحہ ۹۳)

(۱۱) حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ کھاد کے ایک ڈھیر کے قریب گئے اور میرے سامنے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ ۳۶)

(۱۲) بخاری میں حضرت ابراہیمؑ (جنہیں قرآن مجید نے صدیق نبی کا خطاب دیا ہے) کے تین جھوٹ کا ذکر ہے اور یہ تین جھوٹ بھی اس شدید نوعیت کے کہ ان کی وجہ سے وہ قیامت کے دن شفاعت کرنے سے شرمندہ ہوں گے۔ (مسلم، جلد اول، صفحہ ۳۷۲)

ان میں سے دو واقعات کا ذکر قرآن مجید نے بھی کیا ہے۔ لیکن تیسرا واقعہ یعنی حضرت ابراہیمؑ کا ایک زانی بادشاہ کے خوف سے اپنی بیوی کو بہن ظاہر کرنا تو قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں۔

خلاف انصاف

(۱۳) ام شریکؓ کی روایت (جلد دوم، صفحہ ۵۰۰) کے مطابق نبی ﷺ نے چھپکلی کو مارنے کا حکم دیا تھا کیوں کہ یہ اس آگ کو پھونکوں سے بھڑکاتی تھی جس میں ابراہیمؑ کو پھینکا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ایک چھپکلی کے جرم کے بدلے چھپکلیوں کی ساری نسل کو سزا دینا کہاں کا انصاف ہے؟

(۱۴) ایک روایت کے مطابق عورت، گدھا اور کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم، جلد دوم، صفحہ ۱۱۱)

متفرق

(۱۵) اگر مکھی کسی پینے کی چیز میں گر جائے تو اسے غوطہ دے کر نکالو، کیوں کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفاء۔ (بخاری، جلد دوم، صفحہ ۱۱۵)

مندرجہ بالا احادیث میں سے اکثر بخاری شریف سے لی گئی ہیں، جو ہمارے عقیدے کے مطابق اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔ براہ کرم اس کی بھی وضاحت کر دیجیے کہ اصح الکتاب کا مطلب آیا یہ ہی ہے کہ بخاری بھی قرآن مجید کی طرح حرفاً حرفاً صحیح اور غیر محرف ہے؟

آپ کے سوالات کو دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً آپ نے خود ان کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں فرمایا ہے بلکہ منکرین حدیث نے فتنہ پردازی کی غرض سے ''قابل اعتراض'' حدیثوں کی جو فہرستیں مرتب کر کے شائع کی ہیں، انہی میں سے کوئی فہرست آپ کی نگاہ سے گزری اور آپ نے زیادہ سے زیادہ بس اتنی سی تحقیق کی زحمت اٹھائی ہے کہ اس فہرست کی حدیثوں کو بخاری و مسلم کے کسی نسخے میں نکال کر یہ اطمینان کر لیا کہ یہ حدیثیں وہاں موجود ہیں۔ میرے اس شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ آپ کی پیش کردہ اکثر احادیث ایسی ہیں جن پر آپ کو اپنے شبہات کا جواب خود اسی کتاب کے اسی باب میں مل جاتا۔ اگر آپ پورا باب پڑھنے کی تکلیف گوارا فرماتے۔ بلکہ بعض حدیثوں کے تو آپ نے پورے الفاظ تک نہیں پڑھے ہیں اور ان کا وہی غلط سلط مفہوم نقل کر دیا ہے جو اس فتنہ پرداز گروہ نے اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کیا ہے۔ اس طریقے سے یہ لوگ کم سواد لوگوں کو تو دھوکہ دے ہی رہے ہیں مگر یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے کہ آپ جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی اس آسانی کے ساتھ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ دنیا کے کسی علم و فن کے مسائل پر بھی اتنے سرسری مطالعہ سے کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا جسے آپ حدیث کے معاملے میں کافی سمجھ رہے ہیں؟ جس طریقے سے آپ نے حدیث کی چند باتیں سیاق و سباق اور موضوع سے الگ کر کے اور ان کا

بالکل ایک سرسری مفہوم اخذ کر کے نقل کی ہیں، اس طریقے سے تو دنیا کے ہر علم و فن کی کتابوں سے اقتباسات نکال کر محض مضحکہ خیز بنانے کے لیے پیش کیے جا سکتے ہیں۔

اس مختصر تنبیہ کے بعد میں آپ کی پیش کردہ احادیث میں سے ہر ایک پر مفصل کلام کروں گا، تاکہ نہ صرف آپ کو، بلکہ منکرین حدیث کے فتنے سے دھوکہ کھانے والے اصحاب کو بھی تحقیق کا صحیح طریقہ معلوم ہو جائے۔

(۱) حضرت عائشہؓ کے غسل والی حدیث بخاری کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع و نحوہ میں ہے۔ اس میں ابو سلمہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ''میں اور حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور حضرت عائشہؓ کے بھائی نے ان سے نبی کریم ﷺ کے غسل کی بابت دریافت کیا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے ایک برتن منگایا جو قریب قریب ایک صاع کے برابر تھا اور انہوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا، اس حال میں کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔''

اس حدیث پر اعتراض کرنے والوں کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ ابو سلمہؓ کا نام پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ وہ کوئی غیر شخص تھے، حالاں کہ وہ حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھانجے تھے جنہیں حضرت ام کلثومؓ بنت ابی بکر صدیقؓ نے دودھ پلایا تھا۔ پس دراصل یہ دونوں صاحب جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مسئلہ پوچھنے گئے تھے، آپ کے محرم ہی تھے، ان میں سے کوئی غیر نہ تھا۔

پھر دوسری غلطی، بلکہ زیادتی وہ یہ کرتے ہیں کہ روایت میں تو صرف ''حجاب'' یعنی پردے کا ذکر ہے مگر یہ لوگ اپنی طرف سے اس میں یہ بات بڑھا لیتے ہیں کہ وہ پردہ باریک تھا اور اس اضافے کے لیے وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر باریک نہ ہوتا جس سے حضرت عائشہؓ نہاتی ہوئی نظر آ سکتیں تو پھر اسے درمیان میں ڈال کر نہانے سے کیا فائدہ تھا؟ حالانکہ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اس وقت مسئلہ کیا درپیش تھا جس کی تحقیق کے لیے یہ دونوں صاحب اپنی خالہ

اور بہن کے پاس گئے تھے، تو انہیں اپنے اس سوال کا جواب بھی مل جاتا اور یہ سوچنے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی کہ پردہ باریک ہونا چاہیے

دراصل وہاں سوال یہ نہ تھا کہ غسل کا طریقہ کیا ہے، بلکہ بحث یہ چھڑ گئی تھی کہ غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کو نبی کے متعلق یہ روایت پہنچی تھی کہ آپ ایک صاع بھر پانی سے غسل کر لیتے تھے۔ اتنے پانی کو لوگ غسل کے لیے ناکافی سمجھتے تھے اور بنائے غلط فہمی یہ تھی کہ وہ غسل جنابت اور غسل بغرض صفائی بدن کا فرق نہیں سمجھ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو تعلیم دینے کے لیے بیچ میں ایک پردہ ڈالا جس سے صرف ان کا سر اور چہرہ ان دونوں صاحبوں کو نظر آتا تھا اور پانی منگوا کر اپنے اوپر بہایا۔ اس طریقے سے حضرت عائشہؓ ان کو دو باتیں بتانا چاہتی تھیں۔ ایک یہ کہ غسل جنابت کے لیے صرف جسم پر پانی بہانا کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مقصد کے لیے صاع بھر پانی کفایت کرتا ہے۔

اس تشریح کے بعد آپ خود سوچیں کہ اس میں آخر قابل اعتراض کیا چیز ہے جس کی بنا پر خواہ مخواہ ایک مستند حدیث کا انکار کرنے کی ضرورت پیش آئے اور پھر اسے تمام حدیثوں کے غیر معتبر ہونے پر دلیل ٹھہرایا جائے؟

(۲،۳) حضرت سبرۃ الجہنی اور حضرت جابرؓ والی حدیثیں، مسلم باب نکاح المتعہ میں موجود ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ معترضین نے صرف اعتراض کی خاطر حدیثیں تلاش کرنی شروع کیں اور اس سلسلہ میں ان دونوں حدیثوں کو بھی اپنی فہرست میں ٹانک لیا۔ ورنہ اگر وہ جاننے کی کوشش کرتے کہ متعہ کی حقیقت کیا ہے اور اس کے بارے میں فقہا کے درمیان کیا بحثیں پیدا ہوئی تھیں، اور ان بحثوں کا تصفیہ کرنے کے لیے محدثین نے کس مقصد کے لیے وہ تمام روایات اپنی کتابوں میں جمع کیں جو متعہ کے جواز حرمت کے متعلق ان کو مختلف سندوں سے پہنچی تھیں تو شاید وہ ان احادیث پر نظر عنایت نہ فرماتے۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ اسلام سے قبل، زمانہ جاہلیت میں نکاح کے جو طریقے رائج تھے، ان میں سے ایک ''نکاح متعہ'' بھی تھا۔ یعنی یہ کہ کسی عورت کو کچھ معاوضہ دے کر ایک خاص مدت کے لیے اس سے نکاح کر لیا جائے۔ نبی ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو کسی چیز کی نہی کا حکم نہ مل جاتا تھا، آپ ﷺ پہلے کے رائج شدہ طریقوں کو منسوخ نہ فرماتے تھے بلکہ یا تو ان کے رواج پر سکوت فرماتے یا بوقت ضرورت ان کی اجازت بھی دے دیتے۔ چناچہ یہی صورت متعہ کے بارے میں بھی پیش آئی۔ ابتداءً آپ ﷺ نے اس کے رواج پر سکوت فرمایا اور بعد میں کسی جنگ یا سفر کے موقع پر اگر لوگوں نے اپنی شہوانی ضرورت کی شدت ظاہر کی تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت بھی دے دی، کیوں کہ حکم نہی اس وقت تک نہ آیا تھا۔ پھر جب حکم نہی آگیا تو آپ ﷺ نے اس کی قطعی ممانعت فرمادی۔ لیکن یہ حکم تمام لوگوں تک نہ پہنچ سکا اور اس کے بعد بھی کچھ لوگ ناواقفیت کی بنا پر متعہ کرتے رہے۔ آخر کار حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں اس حکم کی عام اشاعت کی اور پوری قوت کے ساتھ اس رواج کو بند کیا۔

اس مسئلے میں فقہا کے سامنے متعدد سوالات تحقیق طلب تھے۔ مثلاً یہ کہ آیا حضور ﷺ نے کبھی اس کی صریح اجازت بھی دی تھی؟ اور اگر دی تھی تو کس موقع پر؟ اور یہ کہ آپ ﷺ نے اسے منع فرمایا ہے یا نہیں؟ اور منع فرمایا ہے تو کب اور کن الفاظ میں؟ اور یہ کہ آیا اس کی تحریم حضور ﷺ کا اپنا فعل ہے یا حضرت عمرؓ نے اپنی ذمہ داری پر اس رواج کو بند کیا؟ اور اس طرح کے متعدد سوالات تھے جن کی تحقیق کے لیے فقہا و محدثین کو وہ تمام روایات جمع کرنے کی ضرورت پیش آئی جو اس مسئلے سے متعلق مختلف لوگوں کے پاس موجود تھیں۔ اسی سلسلے میں امام مسلم نے وہ دونوں روایات بھی نقل کیں جن کو معترضین نے اعتراض کے لیے چھانٹا ہے۔

ان میں سے ایک حضرت جابر عبداللہؓ کی روایت ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں متعہ کرتے تھے، پھر حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ممانعت کر دی۔ دوسری حدیث سبرۃ الجہنی کی ہے جو بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ میں نے خود ایک چادر کے عوض ایک عورت سے متعہ کیا مگر بعد میں اسی غزوے کے زمانے میں آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث مسلم اور دوسرے محدثین نے جمع کی ہیں جو اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر محدثین یہ مواد جمع نہ کرتے تو اسلامی قانون کی تدوین کرنے والے آخر کس بنیاد پر متعہ کے جواز وعدم جواز کا فیصلہ کرتے؟

(۴) حضرت جابرؓ کی یہ روایت مسلم، کتاب الحج، بیان الاحرام، میں ہے جس میں قواعد احرام سے تعلق رکھنے والی روایات جمع کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں امام مسلم نے حضرت جابرؓ کی بھی متعدد روایات نقل کی ہیں، جن میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ محض حج کی نیت کر کے مدینہ سے نکلے تھے۔ جب ۴ ذی الحجہ کو نبی ﷺ مکہ پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ ہدی نہیں لائے ہیں، وہ احرام کھول دیں اور اپنی بیویوں کے پاس جائیں۔ یہ آپ ﷺ کا حکم نہ تھا بلکہ مقصود یہ بتانا تھا کہ احرام کھول کر تم ایسا کر سکتے ہو۔ چنانچہ ہم نے طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ کر کے احرام کھول دیے اور اپنی بیویوں کے پاس گئے۔ اس موقع پر جو لوگ احرام کھولتے ہوئے جھجک رہے تھے، انہیں نبی کریم ﷺ نے سمجھایا کہ میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں۔ اگر میں اپنے ساتھ ہدی نہ لایا ہوتا تو میں بھی تمہارے ساتھ احرام کھول دیتا۔ اس پر وہ مطمئن ہو گئے اور سب نے ارشاد کی تعمیل کی۔

یہ واقعات حضرات جابرؓ نے جس غرض کے لیے بیان کیے تھے وہ یہ تھی کہ بعد میں بھی بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ شک باقی رہ گیا تھا کہ جو شخص احرام باندھ کر حج سے پہلے مکہ پہنچا ہو، وہ آیا طواف و سعی کرنے کے بعد حلال ہو سکتا ہے یا نہیں، اور آیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ حج کا زمانہ آنے پر حرم ہی سے احرام کا اغاز کرے۔ اسی شک کو دور کرنے کے لیے حضرت جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی تھی۔ اس حدیث کے اصل الفاظ میں یہ بات کہیں منقول نہیں ہے کہ ''ہم نے خوب جماع کیا اور جب ہم عرفہ کے لیے روانہ ہوئے تو، (تقطر مذاکیرنا المنی) بلکہ وہاں صحابہ کرامؓ کا یہ قول بطور استفہام و استعجاب مذکور ہے ''کیا ہمیں عورتوں کے پاس جانے اور پھر عرفہ کے لیے روانہ ہونے کا حکم ہے دراں حالیکہ (تقطیر مذاکیرنا)''

(۵) حضرت ابوذرؓ کی یہ حدیث بخاری کتاب بدءالخلق، باب صفت الشمس والقمر میں ہے۔ اس کا جو خلاصہ آپ نے دیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ: نبی ﷺ نے فرمایا ''جانتے ہو سورج غروب ہو کر جاتا کہاں ہے؟'' میں نے عرض کیا ''اللہ اور اس رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔'' فرمایا ''وہ جاتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اجازت مانگتا ہے۔ (یعنی پھر مشرق سے طلوع ہونے کی) اور اسے اجازت دے دی جاتی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ وہ سجدہ کرے گا اور اجازت مانگے گا مگر اجازت نہ ملے گی اور حکم ہو گا کہ پلٹ جا اور وہ مغرب سے طلوع ہو گا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (يس:38)

اس میں دراصل جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ''سورج ہر آن اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابع ہے، اس کا طلوع بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کا غروب بھی۔'' سورج کا سجدہ کرنا ظاہر ہے کہ اس معنی میں نہیں ہے جس میں ہم نماز میں سجدہ کرتے ہیں، بلکہ اس معنی میں ہے جس میں قرآن مجید دنیا کی ہر چیز کو خدا کے آگے سربسجود قرار دیتا ہے، یعنی کلیتہً تابع امر رب ہونا۔ پھر سورج کا مغرب بھی ایک نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی رو سے بہت

سے مغرب ہیں، کیوں کہ وہ ہر آن ایک خطہ زمین میں غروب اور ہر آن دوسرے خطے میں طلوع ہوتا ہے۔ اس لیے اجازت مانگ کر طلوع و غروب ہونے کا مطلب ہر آن امر الٰہی کے تحت ہونا ہے۔ ہر وقت اس امر کا امکان ہے کہ دنیا کا قانون جذب و کشش یکایک ایک پلٹی کھا جائے اور سیاروں کی رفتار بالکل الٹ جائے۔ طبیعات اور ہیئت کے ماہرین میں سے کوئی بھی اس قانون کو اٹل نہیں مانتا اور نہ اس میں تغیر واقع ہونے، یا اس کے بالکل درہم برہم ہو جانے کو ناممکن سمجھتا ہے۔

رہا یہ امر کہ اس حدیث میں طلوع و غروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ سمجھا گیا ہے نہ کہ زمین کی گردش کا، تو اس پر اعتراض کرنے والے کو دو باتیں اچھی طرح جان لینی چاہئیں۔ اول یہ کہ انبیا علیہم السلام طبیعات اور ہیئت اور کیمیا کے مسائل بتانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ عرفان حقیقت بخشنے اور فکر و عمل کی تصحیح کرنے کے لیے آئے تھے۔ ان کا کام یہ بتانا نہ تھا کہ زمین حرکت کرتی ہے یا سورج، بلکہ یہ بتانا تھا کہ ایک ہی خدا زمین اور سورج کا مالک و فرمانروا ہے اور ہر چیز ہر آن اسی کی بندگی کر رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بات حکمت تبلیغ کے بالکل خلاف ہے کہ مبلغ کے اپنے زمانے میں جو علم اشیاء موجود ہو، اس کو چھوڑ کر وہ ہزارہا سال بعد کے علم اشیاء کو تعلیم حقیقت کا ذریعہ بنائے۔ اسے جن حقائق کو ذہن نشین کرنا ہوتا ہے، ان کی تفہیم کے لیے اس کو لا محالہ اپنے زمانے ہی کے مواد علمی سے کام لینا پڑتا ہے، ورنہ اگر وہ ان معلومات سے کام لے جو صدیوں بعد انسان کے علم میں آنے والی ہوں تو اس کے معاصرین اس کی اصل تعلیم چھوڑ کر اس بحث میں لگ جائیں کے یہ شخص کس عالم کی باتیں کر رہا ہے اور ان میں سے ایک شخص بھی اس کی تبلیغ سے متاثر ہو کر نہ دے۔ اب یہ آپ خود سوچ لیں کہ اگر کسی نبی کی تعلیم اس کے معاصرین ہی کی سمجھ میں نہ آتی اور اس کے عہد ہی کے لوگوں میں مقبول نہ ہوتی تو وہ بعد کی نسلوں تک پہنچتی کیسے؟ اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اگر اوپر والی حدیث کا مضمون اس ڈھنگ سے بیان کیا جاتا کہ سننے والا طلوع و غروب کا سبب سورج کی

بجائے زمین کی حرکت کو سمجھتا تو بے شک آج کے لوگ اسے علم کا ایک معجزہ قرار دیتے، مگر آپ کا کیا خیال ہے کہ خود اس زمانے کے لوگ، اس معجزہ علمی کا استقبال کس طرح کرتے؟ اور پھر وہ اصل بات بھی کہاں تک ان کے دل و دماغ میں اترتی جو اس مضمون میں بیان کرنی مقصود تھی؟ اور جب کہ اس عہد کے لوگ ہی ایسے "علمی معجزات" کی بدولت ایمان لانے سے محروم رہ جاتے تو یہ معجزے آپ تک پہنچتے ہی کیا کہ آپ ان کی داد دیتے؟

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت بخاری کتاب "مواقیت الصلوٰۃ، باب الابراد بالظہر فی شدت الحر" میں ہے۔ اس کا خلاصہ بھی آپ نے صحیح بیان نہیں کیا ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "نبی ﷺ نے فرمایا جب گرمی کا زور ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو (یعنی دیر کر کے پڑھو جبکہ گرمی کی شدت میں کمی ہو جائے) کیوں کہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک سے ہے۔ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا کہ اے میرے رب میرے اجزا ایک دوسرے کو کھائے جاتے ہیں۔ اس کے رب نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ جاڑے میں اور دوسری مرتبہ گرمی میں۔ گرمی کا سانس اس شدید ترین گرمی جیسا ہوتا ہے جو تم لوگ موسم گرمی میں پاتے ہو، اور سردی کا سانس اس شدید ترین سردی جیسا ہوتا ہے جو تم موسم سرما میں پاتے ہو۔"

اس حدیث پر اعتراض کرنے سے پہلے اس امر پر غور کر لیجیے کہ نبی ﷺ کا اصل مقصد اس بیان سے کیا ہو سکتا تھا؟ کیا یہ آپ ایک عالم طبیعات کی حیثیت سے موسمی تغیرات کے وجوہ بیان فرمانا چاہتے تھے؟ یا یہ کہ آپ ﷺ ایک نبی کی حیثیت سے گرمی کی تکلیف محسوس کرنے والوں کو جہنم کا تصور دلانا چاہتے تھے؟ جس شخص نے بھی قرآن مجید اور سیرت نبی ﷺ پر کچھ غور کیا ہو گا، وہ بلا تامل کہہ دے گا کہ آپ ﷺ کی حیثیت پہلی نہ تھی، بلکہ دوسری تھی اور گرمی کی شدت کے زمانے میں ظہر کی نماز ٹھنڈی پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا، اس سے آپ ﷺ کا مقصد دوزخ سے ڈرانا اور ان کاموں سے

روکنا تھا جو آدمی کو دوزخ کا مستحق بناتے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد قرآن مجید کے اس ارشاد سے ملتا جلتا تھا جو غزوۂ تبوک کے موقع پر فرمایا گیا تھا:

وَ قَالُوْا لَا تَنفِرُوْا فِی الْحَرِّط قُلْ نَارُ جَہَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّاط

"انہوں نے کہا کہ اس شدید گرمی میں جہاد کے لیے نہ نکلو۔ اے نبی ﷺ ! ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس گرمی سے زیادہ گرم ہے۔"

جس طرح یہاں قرآن مجید علم طبیعات کا کوئی مسئلہ بیان نہیں کر رہا ہے، اسی طرح نبی ﷺ کی یہ حدیث بھی طبیعات کا درس دینے کے لیے نہیں ہے۔ قرآن مجید دنیا کی گرمی کا جہنم کی گرمی سے مقابلہ اس لیے کر رہا ہے کہ پس منظر میں وہ لوگ موجود تھے جو اس گرمی سے گھبرا کر جہاد کے لیے نکلنے سے جی چرا رہے تھے۔ اسی طرح نبی ﷺ بھی دنیا کی شدید گرمی اور شدید سردی کو دوزخ کی محض دو پھونکوں کے برابر اس لیے بتا رہے ہیں کہ پس منظر میں وہ لوگ موجود تھے جو جاڑے میں صبح کی اور گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے نکلنے سے گھبراتے تھے۔ چنانچہ مسند احمد میں زید بن ثابتؓ کی یہ روایت آئی ہے:

لم یکن یصلی صلوٰۃ اشد علی اصحاب رسول اللہ ﷺ منها

"ظہر کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز اصحاب رسول اللہ پر شاق نہ تھی"

اور اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس نے گرمی کے زمانے میں عرب کی دوپہر کبھی دیکھی ہو۔ اس کے بعد اب حدیث کے اصل الفاظ کی طرف آیئے:

فان شدة الحرمن فيح جهنم

"گرمی کی شدت جہنم کی پھونک سے ہے۔"

کے معنی لازماً یہی نہیں ہیں کہ دنیا میں گرمی جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہوتی ہے، بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ جہنم کی پھونک کی قسم یا جنس ہے۔ اس لیے کہ عربی

زبان میں لفظ من بیان جنس کے لیے بکثرت استعمال ہوتا ہے اور خود قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے:

مایفتح اللہ للناس من رحمتہ مھماتاتنابہ من آیۃاور اجتنبواالرجس من الاوثان

رہاآخری فقرہ تواس میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ دنیا میں گرمی اور جاڑے کے موسم دوزخ کی ان دو پھونکوں کی وجہ سے آتے ہیں۔ بلکہ الفاظ یہ

ہیں:

فاذن لها بنفسين نفس فى الشتاء ونفس فى الصيف اشد ماتجدون من الحرو اشد ما تجدون من الزمهرير

"پس اس کے رب نے اس کو سانسوں کی اجازت دی، ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں، جواس شدید ترین گرمی جیسا ہے جو تم پاتے ہو اور اس شدید ترین سردی جیسا ہے جو تم پاتے ہو۔"

(۷،۸) یہ حدیثیں مسلم نے کتاب الحیض، باب صفۃ منی الرجل والمرأۃ میں، بخاری نے کتاب العلم، کتاب الغسل، کتاب الادب اور کتاب الانبیا کے مختلف ابواب میں نقل کی ہیں۔ مگر آپ نے ان کا مفہوم بھی غلط نقل کیا ہے۔ اصل بات جو مختلف روایتوں میں بیان ہوئی، وہ یہ ہے:

ام سلیم نے آکر نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر عورت خواب میں وہ کچھ دیکھے، جو مرد دیکھا کرتا ہے (یعنی اس کو احتلام ہو) تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا غسل کرے۔ اس پر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا "عورت کو بھی یہ معاملہ پیش آتا ہے؟" ان کا مطلب یہ تھا کہ کیا عورت کو بھی انزال اور احتلام ہوا کرتا ہے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا:

نعم فمن این یکون الشبہ ان ماء الرجل غلیظ ابیض وماء المرأۃ رقیق اصفر فمن ایھما علااو سبق یکون منہ الشبہ۔

"ہاں، ورنہ آخر بچہ ماں کے مشابہ کیسے ہو جاتا ہے؟ مرد کا پانی گاڑھا سپیدی مائل ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا زردی مائل۔ پھر ان میں سے جو بھی غالب آجاتا ہے، یا جو سبقت لے جاتا ہے، بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک خاتون کے سوال پر حضرت عائشہؓ نے بھی اسی کے تعجب کا اظہار کیا تھا اور اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

وهل يكون الشبه لا بن قبل ذالک اذا علا ماء ها ماء الرجل اشبه الوالد اخواله واذا علا ماء الرجل ماء ها اشبه الولد اعمامه۔

"اور کیا بچے کا ماں کے مشابہ ہونا اس کے سوا کسی اور وجہ سے ہوتا ہے؟ جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو بچہ ننھیال پر جاتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو بچہ ددھیال پر جاتا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے نبی ﷺ سے اولاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

ماء الرجل ابيض وماء المرأة اصفر فاذا اجتمعوا فعلا منى الرجل منى المرأة اذكرا باذن الله واذا اعلا منى الرجل انثا باذن الله۔

"مرد کا پانی سفیدی مائل اور عورت کا پانی زردی مائل ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں اور مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹا ہوتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑکی ہوتی ہے۔"

آپ نے خدا جانے کس لفظ کا مطلب یہ سمجھا کہ "اگر یہ مرکب مائل بہ سفیدی ہو تو بچہ ہوتا ہے ورنہ بچی" اور یہ کس عبارت کا ترجمہ آپ نے فرمایا ہے کہ "اگر مجامعت کے وقت مرد کا انزال عورت سے پہلے ہو تو بچہ باپ پر جاتا ہے ورنہ ماں پر؟" اصل مضمون جو ان

احادیث میں بیان ہوا ہے اگر اس کے خلاف علم و عقل کی کوئی شہادت موجود ہو تو ضرور پیش فرمائیں۔

(۹) اس معنی کی روایت بخاری کی کتاب الانبیاء، کتاب الاستیذان اور کتاب العقیقہ میں موجود ہیں مگر ہر جگہ اختتن کے الفاظ ہیں جو صریح طور پر اس مفہوم کے متحمل ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ختنے خود اپنے ہاتھ سے کر لیے اور جبکہ یہ کام ایک شخص خود بھی کر سکتا ہے تو آخر کیوں یہ معنی لیے جائیں کہ ۸۰ برس کی عمر کے شخص نے جراح کو بلا کر یہ کام کرایا ہو گا۔ پھر مسند ابی یعلیٰ کی روایت میں اس کی جو تفصیل آئی ہے، وہ بالکل واضح بات کر دیتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ کام خود کر لیا تھا۔ اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ختنہ کرو تو انہوں نے ایک قدوم (بڑھئی کے کام کا ایک آلہ) لے کر ختنہ کر لیا۔ اس سے ان کو سخت تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ ابراہیمؑ تم نے جلدی کی ورنہ ہم تمہیں خود اس کا آلہ بتا دیتے۔ انہوں نے عرض کیا، اے رب میں نے پسند نہ کیا کہ تیرے حکم کی تعمیل میں دیر کروں۔ (فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۲۴۵)

(۱۰) اس مضمون کی احادیث بخاری کتاب الانبیاء، کتاب الجہاد اور کتاب الایمان والنذور میں موجود ہیں۔ ان مختلف احادیث میں سے کسی میں حضرت سلیمانؑ کی بیویوں کی تعداد ۶۰، کسی میں ۷۰، کسی میں ۹۹ اور کسی میں ۱۰۰ بیان کی گئی ہے اور سب کی سندیں مختلف ہیں۔ اتنی مختلف سندوں سے جو بات محدثین کو پہنچی ہو، اس کے متعلق یہ کہنا تو مشکل ہے کہ وہ بالکل ہی بے اصل ہو گی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو نبی ﷺ کے بیان کو سمجھنے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا وہ پوری طرح بات سن نہیں سکے ہوں گے، ممکن ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ حضرت سلیمانؑ کی بہت سی بیویاں تھیں جن کی تعداد یہودی ۶۰، ۹۰، ۷۰، ۱۰۰، ۹۹ تک بیان کرتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ نے سمجھا ہو کہ یہ حضور ﷺ کا اپنا بیان ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سلیمانؑ کے قول کو

اس طرح بیان کیا ہو کہ ''میں اپنی بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر بیوی سے ایک مجاہد پیدا ہو گا۔'' اور حضرت ابوہریرہؓ یہ سمجھے ہوں کہ ''ایک رات میں جاؤں گا''۔اس طرح کی غلط فہمیوں کی مثالیں متعدد روایات میں ملتی ہیں جن میں سے بعض کو دوسری روایتوں نے صاف کر دیا اور بعض صاف ہونے سے رہ گئیں۔ زبانی روایتوں میں ایسا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور اس طرح کی چند مثالوں کو لے کر پورے ذخیرہ احادیث کو ساقط الاعتبار قرار دینا کسی معقول آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔

رہا ''انشاء اللہ'' کا معاملہ تو یہ کسی روایت میں نہیں کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جان بوجھ کر انشاء اللہ کہنے سے احتراز کیا تھا۔ اس لیے اس میں توہین انبیاءؑ کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ یہ الفاظ آپ نے آخر کس روایت میں دیکھے ہیں کہ کسی نے کہا: ''انشاء اللہ بھی ساتھ کہیے، لیکن آپ نے پرواہ نہ کی؟'' حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ:

فقال لہ صاحبہ ان شاء اللہ فلم یقل۔

''ان کے ساتھی نے ان سے کہا ان شاء اللہ مگر انہوں نے نہ کہا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کے منہ سے یہ بات نکلی تو پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے خود کہا ''انشاء اللہ'' اور حضرت سلیمانؑ نے اس کے کہہ دینے کو کافی سمجھ لیا اور اپنی زبان سے اس کا اعادہ نہ کیا۔

(۱۱) یہ حدیث بخاری کتاب الوضو کے متعدد ابواب میں آئی ہے، اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے مگر کسی میں بھی حضرت حذیفہؓ کے یہ الفاظ نہیں ہیں کہ نبی ﷺ نے ''میرے سامنے کھڑے ہو کر پیشاب کیا'' کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ الفاظ آپ کو کہاں سے ملے۔ ان کے تو اصل الفاظ یہ ہیں کہ ''میں اور نبی ﷺ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ ﷺ ایک کوڑے کے ڈھیر کی طرف گئے جو ایک دیوار کے پیچھے تھا اور آپ ﷺ کھڑے ہوئے جیسے تم میں سے کوئی کھڑا ہوتا ہے اور آپ ﷺ نے پیشاب کیا۔

میں ہٹ کر دور جانے لگا تو مجھے آپ ﷺ نے اشارہ کیا اور میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ فارغ ہو گئے۔" اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے دیوار اور ڈھیر کے درمیان کھڑے ہو کر پیشاب کیا تاکہ دونوں طرف سے پردہ رہے، اور حضرت حذیفہؓ کو روک کر پیچھے کھڑا کیا کیوں کہ اس صورت میں نظر آنے کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مستند روایات کے مطابق نبی ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔ مگر اس موقع پر آپ ﷺ نے کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا تھا اور حضرت حذیفہؓ نے یہ روایت اس لیے بیان کی تھی کہ ان کے زمانے میں بعض لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو قطعی ناجائز قرار دینے لگے تھے۔

(۱۲) یہ روایات بخاری کتاب احادیث الانبیا اور مسلم باب اثبات الشفاعتہ میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی آئی ہیں۔ ان سب روایات کی اسناد کو، ان کی کثرت طرق کو دیکھنے کے بعد اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت ابوہریرہؓ ہی ان کے راوی ہیں، کیوں کہ اتنے کثیر راویوں کے بارے میں خصوصاً جبکہ ان میں سے اکثر و بیشتر ثقہ تھے، یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ایک صحابی کا نام لے کر قصداً ایک غلط روایت تصنیف کی ہو گی۔ رہے حضرت ابوہریرہؓ تو ان پر ہم یہ شبہ تک نہیں کر سکتے کہ وہ نبی ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کریں گے۔ لیکن ہمارے لیے ان راویوں کو جھوٹا ماننا جس قدر مشکل ہے، اس سے بدرجہا زیادہ مشکل یہ باور کرنا ہے کہ ایک نبی ﷺ نے جھوٹ بولا ہو گا، یا نبی ﷺ نے معاذ اللہ، ایک نبی پر دروغ گوئی کا جھوٹا الزام لگایا ہو گا۔ اس لیے لامحالہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اس معاملے میں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بنا پر نبی ﷺ کا ارشاد صحیح طور پر نقل نہیں ہوا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے جو تین "جھوٹ" اس روایت میں بیان ہوئے ہیں، ان میں سے دو تو قطعاً جھوٹ نہیں ہیں، اور تیسرا

جھوٹ دراصل بنی اسرائیل کا جھوٹ ہے جو انہوں نے بائبل میں ایک جگہ نہیں، بلکہ دو مقامات پر حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کیا ہے۔

پہلے دو واقعات خود قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں، مگر نہ ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے جھوٹ قرار دیا اور نہ صورت واقعہ سے ان کے جھوٹ ہونے کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے کنبے قبیلے کے لوگ اپنے ایک مشرکانہ میلے کے لیے شہر سے باہر جانے لگے تو آپؑ یہ عذر کر کے پیچھے ٹھہر گئے کہ ''اِنِّی سَقِیْمٌ... میں بیمار ہوں'' اس کو جھوٹ قرار دینے کے لیے کسی مستند ذریعہ سے معلوم ہونا ضروری ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس وقت بالکل تندرست تھے، کسی قسم کی شکایت ان کو نہ تھی۔ لیکن یہ بات نہ اللہ تعالیٰ نے بتائی نہ اس کے رسول ﷺ نے پھر اسے آخر کس بنا پر جھوٹ کہا جائے؟ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے بت خانے میں گھس کر بڑے بت کے سوا باقی سارے بت توڑ دیے تو قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ پر شبہ کیا۔ چنانچہ وہ بلائے گئے اور ان سے پوچھا گیا کہ تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ (الانبیاء: 63)

بلکہ یہ فعل ان کے اس بڑے نے کیا ہے، ان زخمی بتوں سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں، اس فقرے کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات ایک جھوٹے بیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شرک کے خلاف ایک دلیل کی حیثیت سے فرمائی تھی۔ ان کا مدعا دراصل پوچھنے والوں کو اس حقیقت پر متنبہ کرنا تھا کہ تمہارے یہ کیسے خدا ہیں جو بیچارے اپنی داستان مصیبت تک نہیں سنا سکتے، اور تمہارا یہ بڑا خدا کیسا ہے جس کے متعلق تم جانتے ہو کہ یہ کسی فعل پر قادر نہیں ہے۔ اس بات کو تو کوئی معمولی سخن فہم آدمی بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا، کجا کہ ہم نبی ﷺ پر یہ بدگمانی کریں کہ آپ ﷺ نے اسے جھوٹ قرار دیا ہوگا۔

رہا تیسرا ''جھوٹ'' تو وہ دراصل ان مہمل افسانوں میں سے ایک ہے جو بائبل میں انبیا علیہم السلام کے نام پر گھڑے گئے ہیں۔ بائبل کی کتاب پیدائش میں یہ واقعہ ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلا واقعہ مصر کا ہے اور وہ بائبل کے الفاظ میں یہ ہے:

''اس نے اپنی بیوی سارہ سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اس کی بیوی ہے، سو وہ مجھے تو مار ڈالیں گے مگر تجھے زندہ رکھ لیں گے۔ سو تو یہ کہہ دینا کہ میں اس کی بہن ہوں... مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے... اور وہ عورت فرعون کے گھر میں پہنچائی گئی ... پر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان پر ابرہام کی بیوی کے سبب سے بڑی بلائیں نازل کیں، تب فرعون نے ابرہام کو بلا کر اس سے کہا کہ یہ تو نے مجھ سے کیا کیا؟ تو نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ یہ تیری بیوی ہے؟ تو نے یہ کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے؟ اسی لیے میں نے اسے لیا کہ وہ میری بیوی بنے۔'' (باب ۱۲، آیات ۱۱ تا ۲۰)

لطف یہ ہے کہ خود بائبل ہی کے بیان کے مطابق اس وقت حضرت سارہ کی عمر 65 سال تھی۔ اس کے بعد دوسرا واقعہ فلسطین کے جنوبی علاقے کا بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

''ابرہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلوا لیا۔ لیکن رات کو خدا ابی ملک کے پاس خواب میں آیا اور اسے کہا کہ دیکھ تو اس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا، ہلاک ہوگا کیوں کہ وہ شوہر والی ہے... اور ابی ملک نے ابرہام کو بلا کر اس سے کہا کہ تو نے ہم سے یہ کیا کیا اور مجھ سے تیرا کیا قصور ہوا کہ تو مجھ پر اور میری بادشاہت پر ایک گناہ عظیم لایا؟'' (باب ۲۰، آیات ۲ تا 16)

بائبل کے اپنے بیان کی رو سے اس وقت حضرت سارہ کی عمر ۹۰ سال تھی۔ یہ دونوں قصے خود بتا رہے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹے ہیں اور ہم کسی طرح یہ باور نہیں کر سکتے کہ نبی ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی ہوگی۔

اب ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر یہ تینوں باتیں از روئے درایت غلط ہیں تو اہل روایت نے ان احادیث کو اپنی کتابوں میں درج ہی کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درایت کا تعلق احادیث کے نفس مضمون سے ہے، اور روایت کا تعلق تمام تر سند سے۔ اہل روایت نے جو خدمت اپنے ذمہ لے لی تھی، وہ دراصل یہ تھی کہ قابل اعتماد ذرائع سے نبی ﷺ کے عہد سے متعلق جتنا مواد ان کو بہم پہنچے، اسے جمع کر دیں۔ چنانچہ یہ خدمت انہوں نے انجام دے دی۔ اس کے بعد یہ کام اہل درایت کا ہے کہ وہ نفس مضمون پر غور کر کے ان روایات سے کام کی باتیں اخذ کریں۔ اگر اہل روایت خود اپنی اپنی فہم کے مطابق درایت کا کام بھی کرتے اور مضامین پر تنقید کر کے ان ساری روایتوں کو رد کرتے جاتے، جن کے مضمون ان کی انفرادی رائے میں مناسب نہ ہوتے، تو ہم اس بہت سے مواد سے محروم ہو جاتے جو مجموعہ احادیث مرتب کرنے والوں کے نزدیک کام کا نہ ہوتا اور دوسرے بہت سے لوگوں کے نزدیک کام کا ہوتا۔ اس لیے یہ عین مناسب تھا کہ اہل روایت نے زیادہ تر تنقید اسناد تک اپنے کاموں کو محدود رکھا اور تنقید مضامین کی خدمت انجام دینے والوں کے لیے معتبر اسناد سے بہم پہنچایا ہوا مواد جمع کر دیا۔

(۱۳) یہ حدیث بخاری کتاب، بدء الخلق، باب ''خیر مال المسلم غنم یتبع بها شف الجبال'' اور کتاب احادیث انبیا، باب ''ما قال الله تعالیٰ و اتخذ الله ابراهیم خلیلاً'' میں آئی ہے۔ اس مضمون کی تمام احادیث کو جمع کرنے سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ''وزغ'' کو موذی جانوروں میں سے قرار دیا تھا اور

بعض روایات کی رو سے یہ بھی فرمایا تھا کہ دوسرے موذی جانوروں کی طرح اسے بھی مار دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی صحیح ترین روایت جو بخاری میں آئی ہے، اس میں وہ فرماتی ہیں :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الوزع الفویسق ولم اسمعہ امر بقتلہ۔

نبی ﷺ نے وزغ کو فویسق (موذی) فرمایا۔ مگر میں نے نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے اسے مار ڈالنے کا بھی حکم دیا ہو۔

دوسری ایک روایت جو مسند احمد اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، اس میں مار دینے کا بھی ذکر ہے اور حضرت ابراہیمؑ پر آگ پھونکنے کا بھی، مگر جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے۔ والذی فی الصحیح اصح یعنی صحیح بخاری والی روایت ہی زیادہ صحیح ہے۔

پھر بخاری کی اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وزعم سعد بن ابی وقاص ان النبی ﷺ امر بقتلہ۔ یعنی "سعد بن ابی وقاص کا دعویٰ یہ تھا کہ حضور ﷺ نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا"۔ لیکن اس روایت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص سے یہ بات کس نے سنی۔ دار قطنی میں یہ روایت اس طرح ہے کہ عن ابن شہاب عن ابی وقاص۔ مگر ابن شہاب نے حضرت سعدؓ کو نہیں دیکھا۔ اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔

آخر میں ام شریک کی روایت آتی ہے جس میں مار ڈالنے کے حکم کی بھی تصریح ہے اور اس وجہ کی بھی کہ یہ جانور حضرت ابراہیمؑ پر آگ پھونکتا تھا۔ ممکن ہے اس میں دو چیزیں خلط ملط ہو گئی ہوں۔ ایک اس جانور کا موذی ہونا جو صحیح ترین روایت کی رو سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ دوسرے اس کے بارے میں آگ پھونکنے کا وہ قصہ جو عوام میں مشہور تھا۔ تاہم اگر صحیح بات وہی ہو جو ام شریک والی روایت میں آئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گرگٹ کی پوری نسل کو اس لیے مار دیا جائے کہ اس کے ایک فرد نے حضرت ابراہیمؑ پر آگ بھڑکائی تھی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک موذی جانور ہے اور اس کو دوسرے موذی جانوروں کی

طرح انسان سے دشمنی ہے۔ چنانچہ سارے جانوروں میں سے یہی وہ جانور تھا کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو اس نے اس آگ کو پھونکنے کی کوشش کی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ گرگٹ کی پھونک میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آئی۔ اس لیے حدیث میں سرے سے یہ کہا ہی نہیں گیا ہے کہ وہ آگ اس کے بھڑکانے سے بھڑکتی تھی۔

(۱۴) یہ روایت، مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب سترۃ المصلیٰ میں ہے۔ اس میں امام مسلم نے وہ پورا مواد جمع کیا ہے جو ستر کے مسئلے سے متعلق ان کو معتبر سندوں سے پہنچا تھا اور اس کے سارے پہلو ہمارے سامنے رکھ دیے ہیں۔ اس کی کسی ایک روایت کو لے کر نتیجہ نکال بیٹھنا صحیح نہیں ہے بلکہ ساری روایتوں پر ایک جامع نگاہ ڈالنے ہی سے آدمی صحیح نتیجہ اخذ کر سکتا ہے۔ اصل بات جو ان احادیث سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نمازی کو اپنے آگے سترہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور اس کی وجہ سمجھاتے ہوئے یہ بیان کیا تھا کہ اگر آدمی سترہ رکھے بغیر نماز کے لیے کسی کھلی جگہ کھڑا ہو جائے گا تو عورتیں، کتے، گدھے سب اس کے سامنے سے گزریں گے۔ اس بات کو سن کر بعض لوگ اس مسئلے کو یوں بیان کرنے لگے کہ عورت، کتے اور گدھے کے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں جب حضرت عائشہؓ کو پہنچیں تو انہوں نے فرمایا: "ان المرأۃ لدابۃ سوء (پھر تو عورت بڑی بری جانور ہوئی) عدلتمونا بالکلاب والحمر (تم لوگوں نے تو ہم کو گدھوں اور کتوں کے برابر کر دیا)، ان النبی ﷺ کان یصلی من اللیل وانا معترضۃ بینہ وبین القبلۃ کاعتراض الجنازہ (نبی ﷺ تو رات کو نماز پڑھتے تھے اور میں ان کے اور قبلے کے درمیان جنازے کی طرح پڑی ہوتی تھی)۔

(۱۵) اس مضمون کی روایات بخاری نے کتاب بدء الخلق اور کتاب الطب میں نقل کی ہیں۔ نیز ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد اور دار قطنی میں بھی یہ موجود ہیں۔ بعض شارحین نے اسے حدیث کے الفاظ کو ٹھیک ان کے لغوی معنی میں لیا ہے اور اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ فی الواقع مکھی کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں اس کا تریاق پایا جاتا ہے، اس لیے جب یہ کسی

کھانے پینے کی چیز میں گر جائے تو اسے ڈبو کر نکالا جائے اور بعض نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ نبی ﷺ دراصل اس بے جا غرور کا علاج کرنا چاہتے تھے جس کی بنا پر بعض لوگ دودھ کے پیالے یا سالن کی اس پوری رکابی سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں جس میں مکھی گری ہو، اور پھر یا تو اسے پھینک دیتے ہیں، یا اپنے خادموں کو کھانے کے لیے دے دیتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کا غرور توڑنے کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مکھی اگر تمہارے کھانے میں گر جائے تو اسے ڈبو کر نکالو اور پھر اس کھانے کو کھاؤ۔ اس کے ایک پر میں بیماری ہے یعنی کبر و غرور کی بیماری جو اسے دیکھ کر تمہارے نفس میں پیدا ہوتی ہے اور دوسرے پر میں اس کا تریاق۔ یعنی اس کبر و غرور کا علاج جس کی وجہ سے تم ایسے کھانے کو پھینک دیتے ہو یا اپنے خادموں کو کھلاتے ہو۔ اس معنی کی تائید وہ احادیث بھی کرتی ہیں جن میں نبی ﷺ نے برتن میں تھوڑا سا کھانا چھوڑ کر اٹھ جانے کو ناپسند فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ اپنی رکابی کو صاف کر کے اٹھو۔ اس حکم کی وجہ بھی یہی ہے کہ جو شخص اس طرح برتن میں کچھ چھوڑ کر اٹھتا ہے، وہ گویا یہ چاہتا ہے کہ یا تو اس بقیہ کھانے کو پھینک دیا جائے یا اسے کوئی دوسرا کھائے۔

آخری سوال جو آپ نے بخاری کے ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہونے کے بارے میں کیا ہے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ یقینی ذریعے سے تو ہم کو کتاب اللہ پہنچی ہے، کیوں کہ اسے ہزاروں آدمیوں نے بتواتر نقل کیا ہے۔ مگر اس کے بعد جس کتاب کے مندرجات ہم کو معتبر ترین سندوں سے پہنچے ہیں، وہ بخاری ہے کیوں کہ دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس کتاب کے مصنف نے سندوں کی جانچ پڑتال زیادہ کی ہے۔ یہ صحت کا حکم صرف اسناد سے متعلق ہے اور یقیناً بالکل صحیح ہے۔ رہی مضامین کی تنقید بلحاظ درایت، تو اس کے متعلق میں اوپر ارشارہ کر چکا ہوں کہ یہ کام اہل روایت کے فن سے بڑی حد تک غیر متعلق تھا، اس لیے یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں، ان کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی جان لینے کی ہے کہ کسی روایت کے سنداً صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا نفس مضمون بھی ہر لحاظ سے صحیح اور جوں کا توں قابل قبول ہو۔ ہم کو خود اپنی زندگی میں بارہا اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک شخص کی گفتگو کو جب سننے والے دوسروں کے سامنے نقل کرتے ہیں تو صحیح روایت کی کوشش کرنے کے باوجود ان کی نقل میں مختلف قسم کی کوتاہیاں رہ جاتی ہیں۔ مثلاً کسی کو پوری بات یاد نہیں رہتی اور وہ اس کا صرف ایک حصہ نقل کرتا ہے۔ کسی کی سمجھ میں بات اچھی طرح نہیں آئی، اس لیے وہ ناقص مفہوم ادا کرتا ہے۔ کوئی دوران گفتگو کسی وقت پہنچتا ہے اور اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے کیا بات ہو رہی تھی۔ اس طرح کے متعدد نقائص ہونے کی وجہ سے بسا اوقات نیک نیتی اور صداقت کے باوجود قائل کی بات اپنی صحیح صورت میں نقل نہیں ہوتی اور ایسا ہی معاملہ حالات اور افعال کی روداد یں بیان کرنے میں بھی پیش آیا کرتا ہے۔ کبھی ان نقائص کو دوسری روایتیں رفع کر دیتی ہیں اور سب کو ملا کر دیکھنے سے پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، اور کبھی ایک ہی روایت موجود ہوتی ہے (جسے اصطلاح علم حدیث میں غریب کہتے ہیں) اس لیے وہ نقص علم روایت کی مدد سے رفع نہیں کیا جا سکتا اور درایت سے کام لے کر یہ رائے قائم کرنی پڑتی ہے کہ اصل بات کیا ہو سکتی تھی یا یہ کہ یہ بات اپنی موجود صورت میں قابل قبول ہے یا نہیں، یا یہ کہ نبی ﷺ کے مزاج اور انداز گفتگو سے یہ چیز مناسبت رکھتی ہے یا نہیں۔ اس حد تک حدیث میں تحقیق کرنے کی صلاحیت جن لوگوں میں نہ ہو، انہیں اول تو حدیث کی کتابیں پڑھنی ہی نہیں چاہئیں، یا پڑھیں تو کم از کم ان کو فیصلے صادر نہ کرنے چاہئیں۔

ترجمان القرآن، محرم و صفر ۱۳۷۲ھ، اکتوبر و نومبر ۱۹۵۲ء

http://www.rasailomasail.net/5607.html

ایسی صورت میں ایک ایمان والے نوجوان کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟

وہی رویہ ہونا چاہیے جس کی تعلیم دین کی باتوں کے بارے میں قران کریم سے ملتی ہے.

کیا خوبصورت بات فرمائی ہے قران کریم میں رب کائنات نے:

هُوَ الَّذِيَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ في قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ3-7

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوبَنَا بَعۡدَ إِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحۡمَةًۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡوَهَّابُ 3-8

وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں کا ایک حِصّہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہِ مراد سے محفوظ ہیں اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں (اس) کتاب کا اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں۔ سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حِصّہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے (دین میں) شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کا (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ ان کا (صحیح) مطلب بجز حق تعالٰی کے کوئی اور نہیں جانتا جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر (اجمالا) یقین رکھتے ہیں (یہ) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہلِ عقل ہیں۔(۷) اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجیے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کرچکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمایئے۔ بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

References

1. Al-Quran

2. Al-Bukhari

3. Al-Muslim

4. Mawauta Imam Malik

5. Al-Risala Imam Shaafi

6. Muslim Studies vol-1 by Ignaz Goldziher edited by S.M.Stern Aldine Publishing Co Chicago 1966.

7. Muslim Studies vol-2 by Ignaz Goldziher edited by S.M.Stern George Allen and Unwin Ltd London 1971

8. Introduction to Islamic Theology and Law by Ignaz Goldziher Princeton University Press 1981

9. Ignaz Goldziher and his oriental dairies by Raphael Patai Wayne State University Press 1987

10. Origin of the Muhammadan Jurisprudence by Joseph Schacht Oxford University press London 1967

11. On Schacht Origin of Muhammadan Jurisprudence by M.Mustafa Al-Azami Sohail Academy Lahore 2004

12. The Reconstruction of Legal thoughts in Islam by Dr.Riaz Ul Hassan Gilani Idarah Tarjaman ul Quran Lahore 1977

13. Tafheem ul Quran by Syed Abu al-Ala Maudoudi

14. HADITH: BETWEEN MUSLIM CONVICTION & WESTERN CRITICISM | DR. JONATHAN BROWN

https://muslimmatters.org/2014/04/25/hadith-between-muslim-conviction-western-criticism-dr-jonathan-brown/

15. HujjatAllah al-baligah by Shah Wali Ullah tr by Moulana Abdul Raheem Alfaisal Maktaba Lahore.

16. The Views of Orientalists on the Hadith Literature Fatma Kızıl

http://www.lastprophet.info/the-views-of-orientalists-on-the-hadith-literature

17. Hadith As Scripture: Discussions on the Authority of Prophetic Traditions in Islam by Aisha Y. Musa

http://meine-islam-reform.de/index.php/component/attachments/download/119.html

18. The Islamic Law and Constitution By SAYYED ABUL A'LA MAUDUDl Translated and Edited by KHURSHID AHMAD

https://archive.org/stream/MaulanaMaududiTheIslamicLawConstitution_201502/Maulana_Maududi_The_Islamic_Law_&_Constitution_djvu.txt

19. Aqeedah al-Waasiitiyyah by Imam ibn Taymiyya

http://ahlulhadeeth.net/book/Aqeedah-Wassatiyyah.pdf

20. Tajjdeed fikriyaat e Islam Allama Iqbal translated by De.Waheed Ishrat

https://rekhta.org/ebooks/tajdeed-e-fikriyat-e-islam-ebooks?lang=ur

21. History of Hadith Dr. Muhammad Hameedullah Tranlated by: Afzal Iqbal

https://archive.org/stream/HistoryOfTheHadithDr.MuhammadHameedullah/History+of+the+Hadith%2C+Dr.+Muhammad+Hameedullah_djvu.txt

22. Orientalism Past and Present by Tobias Hübinette

http://www.tobiashubinette.se/orientalism.pdf

23. Western Works and Views On Hadith:Beginnings, Nature, and Impact by Dr. Mohammed Salem ALSHEHRI

http://dergipark.gov.tr/download/article-file/162844

24. EARLY HADITH LITERATURE AND THE THEORY OF IGNAZ GOLDZIHER BY TALAL MALOUSH

http://www.muslim-library.com/dl/books/English_EARLY_HADITH_LITERATURE_AND_THE_THEORY_OF_IGNAZ_GOLDZIHER.pdf

25. برصغیر میں علم حدیث پر تحریک استشراق کے اثرات - حسیب احمد حسیب

https://www.punjnud.com/PageList.aspx?BookID=13997&BookTitle=Barsagheer%20Mein%20Ilm%20e%20Hadees%20Per%20Tehreek%20Istishraq%20Ke%20Asrat

26. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی فیصلے ڈاکٹر حافظ حسن مدنی ناشر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

https://kitabosunnat.com/kutub-library/nabi-kareem-pbuh-k-adalti-faisle-maqala

27. Hadith Literature, Its Originm Development and Special Features.ti - Muhammad Zubayr Siddiqi

https://asimiqbal2nd.files.wordpress.com/2009/06/hadithliterature2of2.pdf

.28مقامِ رسالتؐ: قرآن کی روشنی میں حافظ عاکف سعید

https://www.nawaiwaqt.com.pk/03-Jan-2014/270566

29. Ignác Goldziher's Report on the Books Brought from the Orient for the Hungarian Academy of Sciences

https://dukespace.lib.duke.edu/dspace/bitstream/handle/10161/12571/mestyan_goldziherJSS.pdf?sequence=1

30. DISTORTION OF FACTS AND HISTORY IN „MUSLIM STUDIES' BY IGNAZ GOLDZIHER CHAPTER II AS A MODEL

Alam Khan Lecturer and PhD Student, Faculty of Theology, University of Gümüşhane, TURKEY.

.31مستشرقین اور حجیّتِ حدیث ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی

https://www.as-seerah.com 228

32. Munkareen Hadees by Hafiz Jalaluddin Qasmi Maktaba Afkaar e Islami

.33اسلام کی کمالیت پر دشمن کی ضرب کاری، فتنۂ انکارِ حدیث !-حافظ محمد سفیان سیف

http://www.islamfort.com/books/hadith/1879-2014-05-30-16-47-33

34. Banu umia kay dour main honay walay hadees par kaam ka tehkeeki jaiza by Syed Abdul Gaffar Bukhari

35. برصغیر ہندوپاک میں فتنہ انکار حدیث اور اس کا دفاع محمد صادق جمیل تیمی

http://forum.mohaddis.com/threads/37627

36. Islamic Revivalism and the Quest for Political Power by Nasser Momayezi

https://journals.lib.unb.ca/index.php/jcs/article/view/11753/12527

37. مستشرقین، بنوامیہ اور امام زہریؒ واله فکرِ غامدی ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ از حافظ محمد زبیر

http://ilhaad.com/2017/03/mustashriqeen-banu-umaya-zuhri/?

fbclid=IwAR3gQl7xCWP4VqRoGAga3sAn_N4H8Yd1lnrBtr_GiA8NdnUtcoj9cyCDncQ

38. تحریک استشراق کا تعارف

http://maktaba.pk/book/islam-aur-mustashriqeen/3/

39. مسلم دنیا میں انکار حدیث کے جدید فتنے کی ابتداء

http://ilhaad.com/2017/05/inkar-e-hadith-ki-ibtida/

40. ہندوستان میں انکار حدیث کی تحریک کی ابتداء

http://ilhaad.com/2017/05/inkar-e-hadith-ki-ibtida-hindustan/

41. Christiaan Snouck Hurgronje: History Of Orientalist Manipulation Of Islam – Analysis By Andreas De Vries

https://www.eurasiareview.com/14092011-christiaan-snouck-hurgronje-history-of-orientalist-manipulation-of-islam-analysis/

42. Remembering Joseph Schacht by Jeanette Wakin

http://ilsp.law.harvard.edu/wp-content/uploads/2014/08/wakin.pdf

43. "I Have To Disguise Myself": Orientalism, Gyula Germanus, and Pilgrimage as Cultural Capital, 1935–1965 Adam Mestyan

https://dukespace.lib.duke.edu/dspace/bitstream/handle/10161/12976/mestyan_GermanusHajj.pdf?sequence=1&isAllowed=y

.44 حضرت ابوہریرہ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

http://ilhaad.com/2017/05/hazrat-abu-huraira-aur-mustashriqeen/

45. Ignác Goldziher's Report on the Books Brought from the Orient for the Hungarian Academy of Sciences Adam Mestyan Harvard University

https://dukespace.lib.duke.edu/dspace/bitstream/handle/10161/12571/mestyan_goldziherJSS.pdf?sequence=1

46. On Islamic Historiography by: Simin Rafati

http://rozenbergquarterly.com/on-islamic-historiography/

47. http://en.wikishia.net/view/Abu_l-Faraj_al-Isfahani

48. https://www.urduweb.org/mehfil/threads

/کورنگ اسلام بائی ایڈورڈ سیڈ، کا ملخص اور جائزہ محمد خرم یاسین

49. https://ur.wikipedia.org/wiki صحیفہ ہمام ابن منبہ

.50 عہد بنو امیہ علم حدیث کی تدوین و اشاعت اور اس پر ہونے والے اعتراضات تحقیقی جائزہ سید عبدالغفار بخاری ٢٠٠٣

51. A critical Analysis of the Modernists and Hadeeth Rejecters by Sajid A kayum

www.qsep.com Published by Quran Sunnah Educational Programs

52. Hadith A Re-evaluation by Kasim Ahmad translated By Syed Akber Ali 1997

53. History of the Hadith by Dr. Hameedullah

https://archive.org/stream/HistoryOfTheHadithDr.MuhammadHameedullah/History+of+the+Hadith%2C+Dr.+Muhammad+Hameedullah_djvu.txt

54. رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت منصف اور قانون ساز بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

55. Fiqh and Canons: Reflections on Islamic and ristian Jurisprudence by Mark L. Movsesian

https://scholarship.shu.edu/cgi/viewcontent.cgi?article=1056&context=shlr

56. تحریک استشراق کی حقیقت اور استشراقی لٹریچر کے اثرات حافظ سیف الاسلام پی ایچ ڈی اسکالر، اسلامیہ یونیورسٹی، بھاولپور، پاکستان

57. The Dervish's Disciple: On the Personality and Intellectual Milieu of the Young Ignaz Goldziher by Lawrence I. Conrad

58. Christiaan Snouck Hurgronje: History Of Orientalist Manipulation Of Islam – Analysis by Andreas De Vries

https://www.eurasiareview.com/14092011-christiaan-snouck-hurgronje-history-of-orientalist-manipulation-of-islam-analysis/

59. 'Islamic Civilization' as a (Medieval) Problem: the Idea of Islamic Modernity in Islamwissenschaft by David Moshfegh

https://chronolog.hypotheses.org/978

60. Jihad and Islam in World War I by Eric Jan Zurcher

ttps://openaccess.leidenuniv.nl/bitstream/handle/1887/38575/9789087282394%20Z%C3%BCrcher.pdf?sequence=1

61. No place to hide by Glen Greenwald 2014 Pan Books N.Y

62. Islamophobia and the Politics of Empire by Deepa Kumar 2012 Haymarket books Chicago.

63. Islamophobia Industry by Nathan Lean 2012 Pluto Press, London

64. Islamophobia: The Ideological Campaign Against Muslims ... by Stephen Sheehi, Clarity Press Inc, 2010 Atlanta.

65. Orientalism by Prof Edward Said 1979 Vintage Books

66. Clash of Civilizations and the last man by Samuel P Huntington

67. Yahya Sadowski "The new Orientalism and the democracy debate"

68. Pirates and Emperors by Noam Chomsky 1986

69. The Field of Fight by Lt.Gen Michael T. Flynn St. Martin Press N.Y 2016

70. Meeting the ideological challenge of Islamism by Anna Bekele and Patrick Sookhdeo published by Isaac publishing Virginia -2015

71. Defeating Political Islam by Moorthy S. Muthuswamy published by Prometheus Books 2009.

72. The challenge of fundamentalism by Bassam Tibi University of California press -1998

73. The Future of Islam by John L. Esposito Oxford University Press 2010

74. 9/11 commission official report authorized first edition publishers WW Norton & Co New York

75. The war for Muslim minds by Gilles Kepel Harvard University Press 2004.

76 https://progressive.org/magazine/edward-said-interview/

77 ://http://www.tobiashubinette.se/orientalism.pdf۱

78 http://www.lastprophet.info/the-views-of-orientalists-on-the-hadith-literature

79 https://www.aljazeera.com/indepth/opinion/alas-poor-bernard-lewis-fellow-infinite-jest-180528112404489.html

80http://www.oxfordislamicstudies.com/article /book/islam-9780195107999/islam-9780195107999-chapter-13

Index:

Bernard Lewis, 108, 109, 110, 151
Edward W. Said, 104, 105, 166, 167
Flynn, 110, 253
Goldziher, 130, 134, 138, 142, 247, 249, 251, 252
Lewis, 109, 110, 152, 153, 154, 155, 156
ابو بکر, 75, 86, 219, 226
ابو حنیفہ, 77, 80, 84
ابوفراج اصفہانی, 50, 74
ابوہریرہ, 88, 251
آ چے, 115, 116
احادیث, 2, 3, 4, 5, 9, 10, 11, 26, 27, 34, 46, 48, 49, 50, 51, 52, 56, 70, 73, 77, 79, 80, 81, 82, 83, 84, 86, 87, 88, 89, 90, 91, 94, 99, 123, 125, 126, 127, 128, 136, 149, 172, 174, 189, 203, 204, 205, 206, 208, 212, 214, 216, 217, 218, 222, 223, 225, 226, 234, 236, 239, 240, 242, 243, 246
احمد بن حنبل, 60, 64, 65, 89, 210
احمد کا بیل, 185
احیا اسلام, 25, 101, 103, 111

اسلام,2, 3, 4, 5, 7, 8, 9, 10, 11, 12, 13, 14, 15, 16, 17, 19, 21, 22, 23, 24, 25, 26, 27, 28, 30, 31, 32, 33, 34, 35, 37, 38, 40, 41, 42, 43, 44, 49, 50, 54, 55, 56, 67, 68, 69, 75, 76, 77, 78, 82, 86, 90, 92, 93, 94, 95, 96, 98, 99, 100, 101, 102, 103, 111, 112, 113, 114, 116, 117, 118, 120, 122, 123, 124, 125, 126, 127, 128, 130, 131, 136, 140, 149, 150, 151, 154, 157, 158, 159, 160, 161, 163, 164, 165, 171, 172, 173, 174, 175, 176, 177, 178, 180, 182, 183, 184, 185, 187, 189, 191, 195, 201, 202, 204, 205, 206, 214, 215, 216, 217, 225, 246, 250, 251

اسلاموفوبیا,103, 158, 187

اسلامی تحریکیں,103

اسلامی تہذیب,160, 163, 174, 214

اسلامی علوم,3, 4, 13, 14, 17, 111, 113, 115, 120, 125, 128, 159, 174

اسلامی قوانین,5, 96, 97, 99, 126, 129, 131

اصحاب رائے,77

اصحابہ,9, 11, 27, 47, 49, 50, 55, 136, 218

افغانستان,19, 103, 119, 158, 160, 163, 180, 183, 184

الاگانی,50, 74

البخاری,48, 49, 66

البغدادی,82, 86, 87

السیوطی,80, 85, 90

الغزالی,87

المسودی,50, 68

امام ابن تیمیہ,92, 94

امام زاہری,36

امام زہری,56, 57, 58, 61, 62, 63, 65, 66, 67, 70, 88, 250

امام شافعی,5, 62, 78, 92, 94, 128, 210

امام مالک,65, 88, 91, 210

امام نووی,85, 87

اموی,55, 56, 68, 69, 70, 71, 72, 73, 74, 75, 126

انس,47, 48, 56, 57, 59, 60, 67, 78, 84, 88

انکار حدیث,4, 7, 26, 27, 206, 250

انوار عبدالمالک,165

اورینٹل ازم,34, 102, 103, 160, 165, 166, 187

اویس سلفی,192

ایڈورڈ سعید,33, 104, 121, 160, 166, 170

ایرانی,40, 68, 77, 123

بائبل,15, 24, 27, 82, 97, 237, 238, 239

بخاری,9, 10, 52, 65, 66, 91, 174, 195, 210, 219, 220, 221, 222, 223,
227, 229, 232, 234, 236, 240, 241, 242, 243, 251

بدعت,51, 52, 53, 54, 128

بڈاپسٹ,14, 15, 18, 20, 21

برزنسکی,163

166 ,برنارڈ,1, 24, 104, 127, 151, 154, 157, 159, 160, 162, 163

بنوامیہ,30, 67, 68, 69, 73, 79, 81, 126, 251

بنوہاشم,68, 73, 79

پومپیو,160

تابعین,33, 57, 70, 77, 195, 202, 214, 218

تابعیین,103

ترمذی,53, 62

تھیوڈور نولڈک,45

ٹرمپ,160

ثقافت,16, 102, 111, 115, 176

جامعہ الازہر,17

حجاج,42, 56, 67

حجتہ الوداع,92, 93

حجتہ آلودع,31

حدیث,4, 7, 8, 9, 10, 11, 12, 13, 14, 23, 24, 27, 28, 34, 36, 45, 46, 51, 52, 53, 54, 55, 56, 58, 59, 60, 61, 63, 64, 70, 73, 74, 77, 78, 79, 80, 81, 82, 83, 84, 85, 86, 87, 89, 91, 95, 103, 112, 123, 124, 126, 128, 172, 174, 194, 196, 202, 203, 204, 206, 210,211, 214, 217, 218, 222, 223, 224, 226, 227, 228, 230, 231, 235, 236, 240, 241, 242, 244, 246, 250, 251

حضرت ہاجرہ,39

حضور,31, 32, 42, 49, 200, 201, 203, 210

خلافت,37, 55, 68, 76, 80, 81, 117, 120

دہشت,162, 180, 182, 185

ڈاکٹر حمید اللہ,88, 89

ڈاکٹر سٹرن,16

ڈک چینی,159, 163

ڈیپتھ آف فیلڈ,160

رتن بن عبد اللہ,85

رسول,4, 27, 42, 43, 48, 53, 54, 59, 61, 63, 64, 65, 66, 73, 85, 94, 95, 99, 103, 125, 132, 137, 140, 172, 190, 191, 192, 194, 195, 196, 197, 198, 199, 200, 201, 203, 204, 205, 206, 210, 211, 214, 215, 231, 252

ریاض الحسن گیلانی,148

رینڈل پرائس,181

ساخت,4, 5, 45, 98, 124, 125, 126, 127, 128, 129, 130, 133, 136, 138, 140, 149, 173

سامراج,176

سپرنگر,87, 112, 122, 123
سٹیفن شیمی,162
سعید بن مصیب,67, 88
سنّت,5, 23, 36, 43, 46, 53, 54, 55, 56, 73, 76, 81, 90, 91, 98, 125, 126, 130, 131, 132, 133, 136, 138, 140, 175, 190, 192, 217
سنوک,22, 112, 113, 114, 115, 116, 117, 127, 130
شاہ والی اللہ,92, 94
شاہ ولی اللہ,39
شہزادہ احمد فواد,21
شیعہ,24, 50, 51, 55, 61, 68, 74, 79, 80, 81, 95
صحابی,45, 202, 236
صحیفہ ہمام بن منبہ,89
صدیق اکبر,174
صلی اللہ علیہ وسلم, 5, 11, 23, 31, 32, 33, 34, 35, 38, 40, 41, 42, 43, 46, 47, 48, 49, 54, 56, 59, 60, 61, 63, 64, 65, 66, 73, 81, 82, 85, 94, 95, 96, 97, 99, 100, 101, 131, 132, 136, 137, 140, 149, 177, 189, 246
عائشہ,63, 64, 65, 80, 219, 223, 224, 233, 240, 242
عباسی,17, 55, 74, 75, 76, 79, 90
عبدالطیف تباوی, 165
عبداللہ بن زبیر,48
عبدالملک,68
عثمان,73, 80, 83
عراق,78, 80, 83, 84, 90, 103, 159, 161, 180, 184, 202
عرب قبائل,9, 27, 28, 29, 30, 32, 35, 42, 86
علم حدیث,11, 12, 13, 14, 25, 27, 73, 86, 87, 118, 128, 174, 218, 244, 249

علی, 43, 51, 52, 53, 61, 62, 69, 73, 80, 81, 83, 121, 123, 174, 193, 231

عمر, 15, 21, 22, 29, 30, 38, 43, 51, 52, 53, 56, 57, 58, 61, 68, 69, 70, 71, 73, 77, 78, 80, 82, 85, 90, 112, 151, 187, 209, 219, 220, 225, 226, 234, 239

عیسایت, 16, 23, 117, 165, 175

عیسائی, 23, 29, 33, 41, 113, 120, 121, 123, 173, 183

فتنہ انکار حدیث, 1, 2, 7, 12, 13, 250

فقہ, 38, 39, 55, 76, 77, 91, 97, 125, 126, 127, 128, 175, 189, 218

قانون, 21, 23, 51, 76, 77, 96, 124, 128, 129, 131, 132, 133, 136, 137, 138, 140, 149, 175, 188, 195, 205, 215, 226, 228, 252

قاہرہ, 16, 18, 20, 21, 124

قران, 4, 9, 10, 22, 23, 25, 27, 28, 41, 42, 45, 47, 53, 64, 69, 75, 77, 80, 82, 84, 86, 92, 93, 94, 95, 98, 112, 118, 120, 124, 126, 130, 131, 133, 136, 137, 138, 140, 149, 175, 176, 190, 191, 192, 193, 194, 195, 196, 197, 198, 199, 200, 201, 203, 205, 206, 208, 213, 214, 217, 244, 246, 249

کروسیڈ, 163

گستاف وئیل, 112, 124

گولڈزیھر, 1, 2, 5, 7, 8, 13, 14, 16, 19, 20, 21, 22, 23, 24, 26, 27, 28, 29, 31, 32, 34, 35, 37, 45, 46, 47, 50, 51, 55, 93, 95, 98, 99, 100, 101, 112, 113, 114, 117, 118, 123, 124, 127, 130, 172, 173, 174

لبرل, 12, 51, 55, 117, 159, 182, 185, 186, 216

مارٹن کریمر, 151

محمد اسماعیل بخاری, 174

محمدن اسٹڈیز, 2, 21, 26, 27, 45, 46, 67

فتنہ انکار حدیث اور مغرب

اگناز گولڈزیہر سے برنارڈ لیوس تک

ضمیر احمد جمیل